شان قرآن پاک

(سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پاک کلام)

جمال و حسن قرآں نور جان ھر مسلماں ھے
قمر ھے چاند اوروں کا ھمارا چاند قرآں ھے

نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا
بھلا کیونکر نہ ھو یکتا کلام پاک رحماں ھے

بہار جاوداں پیدا ھے اس کی ھر عبارت میں
نہ وہ خوبی چمن میں ھے نہ اس سا کوئی بستاں ھے

کلام پاک یزداں کا کوئی ثانی نہیں ھرگز
اگر لولوئے عماں ھے وگر لعل بدخشاں ھے

خدا کے قول سے قول بشر کیونکر برابر ھو
وھاں قدرت یہاں درماندگی فرق نمایاں ھے

بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ھرگز
تو پھر کیونکہ بنانا نور حق کا اس پہ آساں ھے

(براھین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۱۸۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۲۲ شمارہ ۸،۷ | ماہنامہ الفرقان ربوہ بابت جولائی و اگست سنہ ۱۹۷۲ء | وفا ـ ظہور ۱۳۵۱ ہش جمادی الثانیہ و رجب ۱۳۹۲ھ

قرآن نمبر

ترتیب

تبلیغی و تعلیمی مجلہ

ماہنامہ

الفرقان ربوہ

ٹیلیفون نمبر ۶۹۲

مدیر مسئول ـ ابوالعطاء جالندھری

سالانہ اشتراک

پاکستان .. .. .. سات روپے

بیرونی ممالک بحری ڈاک .. .. ایک پونڈ

" " ہوائی ڈاک .. .. دو پونڈ

عام نسخہ کی قیمت .. .. .. چھ آنے پیسے

قرآن نمبر (اس رسالہ) کی قیمت :ـ ایک روپیہ پچاس پیسے

معاونین خاص

جو دوست پانچ سال کے لئے چالیس روپے بھجوائیں گے وہ خاص معاونین میں شمار ہوں گے۔ انہیں پانچ سال کے لئے رسالہ بھی ملے گا اور ان کے لئے دعائی تحریک بھی ہوگی ÷

سلسلہ احمدیہ کا اہم ترین نصب العین

عظمتِ قرآن پاک کا قیام

قرآں خدا نما ہے خدا کا کلام ہے
بے اس کے معرفت کا چمن نا تمام ہے

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے چند بیانات

حضرت مسیح موعود بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام فرماتے ہیں:-

(۱)

قرآن پاک کو عزت دینے والے آسمان پر عزت پائیں گے

"تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے۔ جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔ جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے اُن کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا۔ نوعِ انسان کے لئے رُوئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم۔"

(کشتی نوح ص ۱۳)

(۲)

قرآن مجید خاتم الکتب ہے

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر شریعت اور نبوت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اب کوئی شریعت نہیں آ سکتی۔ قرآن مجید خاتم الکتب ہے اس میں ایک شعشہ یا نقطہ کی کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے برکات اور فیوض اور قرآن شریف کی تعلیم اور ہدایت کے ثمرات کا خاتمہ نہیں ہو گیا۔ وہ ہر زمانہ میں تازہ بتازہ موجود ہیں۔" (پیغامِ امام صفحہ ۲۶ تقریر لدھیانہ ۱۹۰۵ء)

(۳)

قرآن مجید خدا تعالیٰ کا بے مثال کلام ہے

"قرآن شریف برابر تیرہ سو برس سے اپنی تمام خوبیاں پیش کر کے ھَلْ مِنْ مُّعَارِضٍ کا نقارہ بجا رہا ہے اور تمام دنیا کو بآواز بلند کہہ رہا ہے کہ وہ اپنی ظاہری صورت اور باطنی خواص میں بے مثل و مانند ہے اور کسی جن یا انس کو اس کے مقابلہ یا معارضہ کی طاقت نہیں مگر پھر بھی کسی متنفس نے اس کے مقابلہ پر دم نہیں مارا۔ بلکہ اس کی کم سے کم کسی سورۃ مثلاً سورۃ فاتحہ کی ظاہری و باطنی خوبیوں کا بھی مقابلہ نہیں کر سکا۔ تو دیکھو اس سے زیادہ بدیہی اور کھلا کھلا معجزہ اور کیا ہو گا کہ عقلی طور پر بھی اس پاک کلام کا بشری طاقتوں سے بلند تر ہونا ثابت ہوتا ہے اور زمانہ دراز کا تجربہ بھی اس کے مرتبہ اعجاز پر گواہی دیتا ہے اور کسی کو یہ دونوں طور کی گواہی کہ جو عقل اور تجربہ زمانہ دراز کے رو سے بپایہ ثبوت پہنچ چکی ہے نامنظور ہو اور اپنے علم اور ہنر پر ناز ہو یا دنیا میں کسی ایسے بشر کی انشاپردازی کا قائل ہو کہ جو قرآن شریف کی طرح کوئی کلام بنا سکتا ہے تو ہم جیسا کہ وعدہ کر چکے ہیں کچھ بطور نمونہ حقائق و دقائق سورۃ فاتحہ کے لکھتے ہیں اس کو چاہیئے کہ بمقابلہ ان ظاہری و باطنی سورۃ فاتحہ کی خوبیوں کے کوئی اپنا کلام پیش کرے۔" (براہین احمدیہ صفحہ ۳۷۲، صفحہ ۳۸۱ حاشیہ نمبر ۱۱)

(۴)

ہماری کتاب زندہ کتاب ہے

"اسلام زندہ مذہب ہے اور ہماری کتاب زندہ کتاب ہے اور ہمارا خدا زندہ خدا اور ہمارا رسول زندہ رسول پھر اس کے برکات، انوار اور تاثیرات مُردہ کیونکر ہو سکتی ہیں؟" (اخبار الحکم ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

(۵)

قرآن کریم کی رُوحانی تاثیرات

"آسمان کے نیچے فقط ایک ہی نبی اور ایک ہی کتاب ہے یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو

اعلیٰ و افضل سب نبیوں سے اور اتم اور اکمل سب رسولوں سے، اور خاتم الانبیاء اور خیر الناس ہیں جن کی پیروی سے خدا تعالیٰ ملتا ہے اور ظلماتی پردے اٹھتے ہیں اور اسی جہان میں سچی نجات کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ اور قرآن شریف جو سچی اور کامل ہدایتوں اور تاثیروں پر مشتمل ہے جس کے ذریعہ سے حقانی علوم اور معارف حاصل ہوتے ہیں اور بشری آلودگیوں سے دل پاک ہوتا ہے اور انسان جہل اور غفلت اور شبہات کے حجابوں سے نجات پا کر حق الیقین کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔" (براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۴۶۷)

(۶)

متبعین قرآن کریم کے لئے عظیم انعام

"اگر کوئی قرآن کریم کی سچی پیروی کرے اور کتاب اللہ کے منشاء کے موافق اپنی اصلاح کی طرف مشغول ہو اور اپنی زندگی نہ دنیا داروں کے رنگ میں بلکہ خادم دین کے طور پر بنائے اور اپنے تئیں خدا کی راہ میں وقف کرے اور اس کے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھے اور اپنی خود نمائی اور تکبر اور عجب سے پاک ہو اور خدا کے جلال اور عظمت کا ظہور چاہتا ہے نہ یہ کہ اپنا ظہور چاہے اور اس راہ میں خاک میں مل جائے تو آخری نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ وہ مکالمات الٰہیہ عربی فصیح و بلیغ میں اس سے شروع ہو جاتے ہیں اور وہ کلام لذیذ اور باشوکت ہوتا ہے جو خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے، حدیث النفس نہیں ہوتا۔" (چشمہ معرفت صفحہ ۳۰)

(۷)

اس کشتی میں آخر اسلام کو فتح ہوگی

"میرا بڑا حصہ عمر کا مختلف قوموں کی کتابوں کے دیکھنے میں گزرا ہے مگر میں سچ سچ کہتا ہوں کہ میں نے کسی دوسرے مذہب کی تعلیم کو خواہ اس کا عقائد کا حصہ ہو، اور خواہ اخلاقی حصہ ہو، خواہ تدبیر منزل اور سیاست مدنی کا حصہ ہو اور خواہ اعمال صالحہ کی تقسیم کا حصہ ہو قرآن شریف کے بیان کے ہم پہلو نہیں پایا اور یہ قول اسلئے نہیں کہ میں ایک مسلمان شخص ہوں بلکہ سچائی مجھے مجبور کرتی ہے کہ میں گواہی دوں اور یہ میری گواہی بے وقت نہیں بلکہ ایسے وقت میں جبکہ دنیا میں مذاہب کی کشتی شروع ہے مجھے خبر دی گئی ہے کہ اس کشتی میں آخر اسلام کو فتح ہوگی۔"

(رسالہ پیغام صلح صفحہ ۶۳)

قرآنِ حکیم

(محترم جناب ثاقب زیروی مدیر ہفت روزہ لاہور)

اِک آفتابِ درخشاں کہ ہر کرن جس کی
ازل کے نُور سے محوِ کلام رہتی ہے
وہ آفتاب ہے حدِ غروب سے باہر
ضیا فضاؤں میں جسکی مدام رہتی ہے

وہ پھول جس میں ہے فردوس و خُلد کی نکہت
وہ جس کے رنگ سے مہکا ہے زندگی کا ضمیر
وہ حرف و لفظ کا مجموعۂ بصیرت ہے
نہیں ہے دونوں جہانوں میں کوئی جس کی نظیر

وہ رہنمائے دل و ذہن، رُوح و فکر و نظر
وہ راستہ ہے حقیقت شعارِ دُنیا کا
بغیر اس کی ہدایت۔ بساطِ ہستی پر
چلا نہیں ہے کبھی کاروبارِ دُنیا کا

نظر نظر میں نیا معجزہ اُبھرتا ہے
مَیں جب کلامِ خدا پر نگاہ کرتا ہُوں
مَیں اِس سخن کو خُدائے کلام کیوں نہ کہُوں
مَیں اہلِ ہوش ہُوں اور اسکی چاہ کرتا ہُوں

ہیں اِس کے دامنِ تقدیس میں رُموزِ حیات
اسی سے سِرِّ جہاں کا سُراغ ملتا ہے
تلاوت اور وہ آیاتِ آسمانی کی
دل و نگاہ کو اس سے فراغ ملتا ہے

ہے نُورِ حق کی نشانی صحیفۂ قرآں
ہر ایک لفظ میں جاری ہے چشمۂ عرفاں

تضمین حقائق

صدق را ہر دم مدد آید زِ ربّ العٰلمیں
صادقاں را دستِ حق باشد نہاں در آستیں

(در ثمین فارسی)

(نتیجۂ فکر جناب الحاج چودھری شبیر احمد صاحب بی۔ اے واقفِ زندگی)

(۱)

آنکھ ہو حق آشنا سینہ میں ہو نورِ یقیں
سر ہو نخوت سے تہی دل ہو محبت کا امیں
آستانۂ الوہیّت پہ رہتی ہو جبیں
صادقوں کو اس طرح پہچاننا مشکل نہیں
"صدق را ہر دم مدد آید زِ ربّ العٰلمیں
صادقاں را دستِ حق باشد نہاں در آستیں"

(۲)

کفر کے فتوے لگے پیشانیٔ ایمان پر
ہاتھ ظلمت نے بڑھایا نور کے ایوان پر
سایۂ رحمت رہا لیکن سرِ سلمان پر
جس کو پہنچا تھا سلام رحمۃ للعٰلمیں
"صدق را ہر دم مدد آید زِ ربّ العٰلمیں
صادقاں را دستِ حق باشد نہاں در آستیں"

(۳)

حق کے استیصال کا جب عزم باطل نے کیا
اک جری اللہ میدانِ عمل میں آگیا
"دیکھ سکتا ہی نہ تھا وہ ضعفِ دینِ مصطفےٰ"
حق کی چوکھٹ پہ جھکا دی اس نے باطل کی جبیں
"صدق را ہر دم مدد آید زِ ربّ العٰلمیں
صادقاں را دستِ حق باشد نہاں در آستیں"

(۴)

غرب میں اک ڈاکٹر اور شرق میں تھا لیکھرام
لشکرِ باطل رہا جن کا مؤیّد صبح و شام
چل گئی دونوں پہ آخر حق کی تیغِ بے نیام
آج اُن کی خاک بھی دُنیا میں ملتی ہے کہیں؟
"صدق را ہر دم مدد آید زِ ربّ العٰلمیں
صادقاں را دستِ حق باشد نہاں در آستیں"

دل میرا ہے اُس خُلقِ مجسّم کا فدائی!

(محترم جناب چودھری عبدالسّلام صاحب اختر ایم اے)

دل میرا ہے اُس خلقِ مجسّم کا فدائی
جس نُور پہ صدیوں سے کوئی آنچ نہ آئی

اِک رحمتِ کُل جس کے فضائل نے جہاں میں
انسان کے اوصاف کی توقیر بڑھائی

ہر فرض کی تکمیل میں خود ہاتھ بٹایا
ہر کام میں حکمت کی نئی راہ دکھائی

تنظیمِ حکومت ہو کہ ترتیبِ تمدّن
تعمیر ہو مسجد کی کہ خندق کی کُھدائی

وہ مٹ نہ سکا آپ نے جو نقش بٹھایا
وہ بُجھ نہ سکی۔ آپ نے جو شمع جلائی

اخلاق کا مرکز اِسی دُنیا کو بنایا
ایمان کی جنّت اِسی دُنیا میں بسائی

محبوب تیرے در پہ ہوں مجھکو نہیں معلوم
کیا چیز شہنشاہی ہے کیا چیز گدائی

أُمِتْنِي بِالْمَحَبَّةِ وَالْوِدَادِ

(للاستاذ محمد عثمان الصدّيقي ايم-اے)

تْنِي بِالْمَحَبَّةِ وَالْوِدَادِ" — حَبِيبِي خَالِقِي رَبَّ الْعِبَادِ

فِرُّ إِلَيْكَ مِنْ حُبِّ عَلَائِقِي — وَمِنْ عِشْقٍ أَهِيمُ بِكُلِّ وَادِ

جُنُونٌ بِعِشْقِكَ فِي حَشَايَ — أَجُولُ مُسْتَهَامًا فِي الْبَوَادِي

لِقَاكَ وَلَوْ بِفِدَاءِ مَالٍ — وَنَفْسٍ فَاهْدِنِي سُبُلَ الرَّشَادِ

دُّكَ لِي فَقَطْ مَاءُ الْحَيَاةِ — وَحُبُّكَ لِي أَرَى خَيْرَ الْعِمَادِ

نْكَ الْقُرْبُ نِعْمَةُ كُلِّ نِعَمٍ — وَمِنْكَ النَّأْيُ لِي أَصْلُ الْفَسَادِ

ادِي فَارِغٌ عَمَّنْ سِوَاكَ — فَنَوِّرْهُ بِحُبِّكَ يَا مُرَادِي

بٍّ خَالِصٍ مِنْ كُلِّ شَوْبٍ — إِلَى أَرْجَائِهِ إِمْلَأْ فُؤَادِي

بِّكَ قَدْ خَلَعْتُ كُلَّ شَيْءٍ — وَإِيَّاهُ لَقَدْ هَيَّأْتُ زَادِي

كَ لَا يَرَاكَ قَطُّ حَتَّى — يُصَيَّرَ بِالصَّبَابَةِ كَالرَّمَادِ

ؤُكَ جَنَّةُ الْإِنْسَانِ حَقًّا — مُحَالٌ نَيْلُهَا دُونَ الْجِهَادِ

اةُ الْعَاشِقِينَ بِكَ الْوِصَالُ — وَعَنْكَ فِرَاقُهُمْ مَحْضُ الْكَسَادِ

مَالُ الْكَوْنِ إِنَّكَ غَيْرَ شَكٍّ — وَذِكْرُكَ شَائِعٌ فِي كُلِّ نَادِ

كَ فَائِقٌ رَشَحَاتِ قَلْبِي — وَلَوْ أَنْ مَدَّهُ بَحْرُ الْمِدَادِ

كَ ثُمَّ أَنْتَ وَثُمَّ أَنْتَ — لِقَلْبِي رَاحَةٌ يَا ذَا الْأَيَادِي

كَ فِي الْحَقِيقَةِ لِي فَلَاحٌ — رَجَوْتُكَ بِحُسْنِ الْاِعْتِقَادِ

قرآن مجید میں عجمی الفاظ

عربی زبان کے اُمّ الالسنہ ہونے کے نظریہ کی روشنی میں

مجلہ "فکر و نظر" اسلام آباد کے خیالات پر تبصرہ

زبان قرآن کے عربیٌّ مُبِینٌ ہونے کا دعویٰ

قرآن مجید نے متعدد آیات میں دعویٰ فرمایا ہے کہ وہ واضح اور فصیح ترین عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اسی بنا پر قرآن مجید نے تمام فصحاء و بلغاءِ عرب کو چیلنج کیا کہ وہ اس کے حقائق و معارف، اس کی اعلیٰ تعلیمات اور اس کی بلیغ زبان کے مقابلہ پر قرآن مجید کی ایک سورۃ کی مانند بھی کوئی کلام پیش نہیں کر سکتے۔ چنانچہ سب مخالفین اس بارے میں عاجز و لاجواب ثابت ہوئے۔

جس معیاری معجزانہ زبان پر مشتمل ہونے کا قرآن پاک کو دعویٰ ہے اُسے اس نے عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

(۱) نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝ (الشعراء ع)

اے رسول! اس قرآن کو تیرے دل پر الروح الامین نے نازل کیا تا تو انذار کرنے والوں سے ہو۔ یہ قرآن واضح اور غیر مبہم عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔

(۲) اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (یوسف ع)

ہم نے اس کتاب کو بکثرت پڑھی جانے والی اور فصیح عربی میں نازل کیا ہے تا تم عقل سے کام لو۔

(۳) قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ (الزمر ع)

ہم نے قرآن مجید کو ایسی عربی زبان میں جس میں کوئی کجی نہیں نازل کیا تاکہ وہ لوگ تقویٰ اختیار کریں۔

(۴) كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (حٰمٓ السجدۃ ع)

یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات نہایت واضح اور مفصل ہیں اس حال میں کہ یہ ہمیشہ پڑھی جائے گی اور فصیح عربی میں ہے اہلِ علم کے لئے۔

(۵) وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (طٰہٰ ع) ہم نے اسی طرح اس قرآن کو فصیح عربی زبان میں نازل کیا ہے۔

(۶) وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا (الرعد ع) اسی طور پر ہم نے اس قرآن کو احکام شریعت کا مجموعہ واضح عربی میں نازل کیا۔

(۷) وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (الشوریٰ ع) اسی طریق پہ ہم نے تیری طرف اس عربی قرآن کو وحی کیا ہے تاکہ تو اُمّ القریٰ (مکہ معظمہ) اور اس کے ماحول کے باشندوں کو ڈرائے اور اس اجتماع کے دن بھی ڈرائے جس میں کوئی شک نہیں۔

(۸) وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِىْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِىٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (النحل ع) ہمیں خوب معلوم ہے کہ وہ منکرین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس رسول کو تو کوئی اور انسان سکھاتا ہے۔ فرمایا جس کی طرف از راہِ الحاد یہ لوگ نسبت دیتے ہیں اس کی زبان تو اعجمی ہے اور یہ قرآن تو فصیح ترین عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔

(۹) هٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (الاحقاف ع) یہ کتاب سابقہ کتب کی تصدیق کرنے والی ہے حال یہ ہے کہ نہایت واضح عربی میں نازل ہوئی ہے تاکہ یہ ظالموں کو انذار کر سکے۔

(۱۰) اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (الزخرف ع) ہم نے اس کتاب کو ایسا بنایا ہے جو ہمیشہ پڑھی جائے گی نہایت فصیح عربی میں۔ تاکہ تم عقل سے کام لو۔

(۱۱) وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِىٌّ وَّعَرَبِىٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ (حٰم السجدۃ ع) اگر ہم نے اس قرآن کو اعجمی قرآن بنایا ہوتا تو وہ لوگ ضرور اعتراض کرتے کہ اس کی آیات میں فصاحت اور تفصیل کیوں نہیں۔ کیا یہ عجمی اور ابہامات سے پُر کتاب اور عربی مخاطب ہوں؟ تو کہہ دے کہ یہ قرآن مومنوں کے لئے ہدایت اور شفاء کا ذریعہ ہے۔

ان آیات میں نہایت صراحت سے اور بار بار یہ امر بیان ہوا ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ہے، نہایت فصیح عربی پر مشتمل ہے۔ اس کی زبان پر کسی کو بھی کا اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اس میں کسی قسم کی اعجمیت نہیں پائی جاتی۔ قرآن مجید کا بے مثال اور فصیح و بلیغ ہونا اس کے منجانب اللہ ہونے کی

دلیل ہے۔ اس کے مخالفین اس کی نظیر لانے سے سراسر عاجز ہیں۔

ان آیات میں کفارِ عرب کے اس اعتراض کا بھی جواب دیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی اور انسان یہ قرآن سکھا رہا ہے۔ فرمایا جس کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں وہ تو عربی بنا نہیں سکتا۔ وہ تو اعجمی ہے اور قرآن فصیح عربی میں ہے۔

اگر عربوں کو یہ معلوم ہوتا کہ "قرآن مجید میں عجمی الفاظ ہیں اور خاصی تعداد میں ہیں" (مجلہ فکر و نظر اسلام آباد اپریل ۱۹۷۲ء) تو یقینی بات تھی کہ وہ کہہ دیتے کہ عجمی شخص یا اعجمی معلم کا ہی تو یہ اثر ہے کہ اس میں "خاصی تعداد" میں عجمی الفاظ موجود ہیں۔ کفارِ عرب کا یہ اعتراض نہ کرنا صریح دلیل ہے کہ فی الواقع قرآن پاک عجمی الفاظ سے پاک ہے وہ سراسر فصیح عربی میں ہے۔

عربی زبان کی بے مثال وسعت

زندہ اور رائج زبانوں کا جائزہ لینے سے عربی زبان کی بے پایاں وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ عربی زبان کے مفردات اور اس کے مشتقات کی گہرائی بہت عمیق ہے۔ حضرت امام شافعیؒ نے اسی بنا پر فرمایا ہے :- "وَلَا نَعْلَمُ اَنْ يُحِيْطَ بِجَمِيْعِ عِلْمِهٖ اِنْسَانٌ غَيْرُ نَبِيٍّ" (المزھر ص۶۵) کہ عربی زبان کا احاطہ صرف نبی ہی کر سکتا ہے جسے خدا کی وحی سے بتایا اور پڑھایا جاتا ہے۔ علماء الالسنہ نے بھی عربی زبان کی وسعتوں کو تسلیم کیا ہے۔ اسلام اور بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعصب کی وجہ سے عرصہ دراز تک مستشرقین عربی زبان کو نظر انداز کرتے رہے ہیں اور بعض ماہرین نے اپنے اس دعویٰ پر اصرار کیا ہے کہ ابتدائی زبان سنسکرت ہے مگر اب اللہ تعالیٰ ایسے سامان پیدا کر رہا ہے کہ محققین عربی زبان کی طرف توجہ کر رہے ہیں اور اُن پر اس زبان کی خوبیوں اور وسعتوں کا انکشاف ہو رہا ہے۔ یقین ہے کہ وہ وقت جلد آنے والا ہے جب علماءِ السنہ عربی زبان کا مقام پہچانیں گے اور برملا اس کا اعتراف کریں گے۔

عربی زبان کی پانچ خصوصیات

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے عربی زبان کی پانچ خصوصیات بایں الفاظ ذکر فرمائی ہیں :-

"پہلی خوبی۔ عربی کے مفردات کا نظام کامل ہے یعنی انسانی ضرورتوں کو وہ مفردات پوری مدد دیتے ہیں۔ دوسرے لغات اس سے بے بہرہ ہیں۔
دوسری خوبی۔ عربی میں اسماءِ باریؒ و اسماءِ ارکانِ عالم و نباتات و حیوانات و جمادات و اعضائے انسانی اپنی اپنی وجوہِ تسمیہ میں بڑے بڑے علومِ حکمیہ پر مشتمل ہیں دوسری زبانیں ہرگز اس کا مقابلہ نہیں

کر سکتیں۔ تیسری خوبی۔ عربی کا اطراد
مواد الفاظ بھی پورا نظام رکھتا ہے اور
اس نظام کا دائرہ تمام افعال اور اسماء
کو جو ایک ہی مادہ کے ہیں ایک سلسلہ حکمیہ
میں داخل کر کے ان کے باہمی تعلقات
دکھلاتا ہے اور یہ بات اس کمال کے
ساتھ دوسری زبانوں میں پائی نہیں جاتی۔
چوتھی خوبی۔ عربی کی تراکیب میں الفاظ
کم اور معانی زیادہ ہیں یعنی عربی زبان
الف لام اور تنوینوں اور تقدیم و تاخیر
سے وہ کام نکالتی ہے جس میں دوسری زبانیں
کئی فقروں کے جوڑنے کی محتاج ہوتی ہیں۔
پانچویں خوبی۔ عربی زبان ایسے مفردات
اور تراکیب اپنے ساتھ رکھتی ہے جو انسان
کے تمام باریک در باریک ضمائر اور خیالات
کا نقشہ کھینچنے کے لئے کامل وسائل ہیں۔"
(منن الرحمٰن صفحہ ۱-۱۱)

ان پانچ امتیازی خوبیوں پر غور کرنے والا
انسان بے ساختہ عربی زبان کی افضلیت، جامعیت
اور برتری کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔
اس جگہ ابن فارس مشہور عالم الالسنہ
کا قول ذکر کرنا مناسب ہے جسے امام السیوطی
نے المزہر میں نقل کیا ہے۔ فرمایا:۔
"لغۃ العرب افضل اللغات
واوسعھا قال تعالیٰ "وانہ
لتنزیل رب العٰلمین۔
نزل بہ الروح الامین علیٰ
قلبک لتکون من المنذرین۔
بلسانٍ عربیٍّ مبین۔
فوصفہ سبحانہ بابلغ ما
یوصف بہ الکلام وھو
البیان۔" (المزہر مطبوعہ مصر صفحہ ۳۲۱)

یعنی عربی زبان تمام زبانوں سے افضل اور وسیع تر
ہے اللہ تعالیٰ نے اسے عربیٌّ مبین قرار دیا اور
اسے البیان ٹھہرایا ہے۔

ایک ابتدائی زبان

علماء اللغات نے اپنے قیاس کی بناء پر
دو قسم کے خیالات کو اپنایا ہے (۱) ایک بڑی
تعداد کا خیال ہے کہ ابتداء میں ایک زبان تھی۔
آدمؑ اور ان کی محدود نسل و اقارب وہی زبان بولتے
تھے۔ جب نسلِ انسانی متفرق ملکوں میں منتشر ہوئی
تو ان میں حالات و مقامات کے زیر اثر زبانوں کا
بھی اختلاف پیدا ہو گیا جو آہستہ آہستہ بڑھتا گیا۔
(۲) دوسرے خیال کے علماء کا یہ قول ہے کہ ابتداء
ہی سے مختلف مگر محدود یعنی دو تین زبانیں تھیں پھر
مزید اختلاف اور وسعت پیدا ہوتی گئی۔
محققین کا رجحان اسی طرف ہے کہ ابتدائے
آفرینش میں ایک ہی زبان تھی۔ بائیبل میں لکھا ہے:۔
"تمام زمین پر ایک ہی زبان اور

ایک ہی بولی تھی۔" (پیدائش ۱/۱۱)

امام ابن جنی نے الخصائص میں اس سوال کو حل کرنے کی کوشش کی ہے کہ زبان انسان کو الہاماً سکھائی گئی یا انسانوں نے اسے از خود وضع کیا ہے؟ وہ لکھتے ہیں:-

"ان اکثر اھل النظر علی
ان اصل اللغۃ انما ھو
تواضع و اصطلاح، لا وحی
ولا توقیف - اِلّا ان ابا علی
رحمہ اللہ قال لی یوماً ھی
من عند اللہ واحتج بقولہ
سبحانہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ
كُلَّهَا" (الخصائص جلد اوّل ص۴۰)

کہ اکثر اہل نظر و فکر کا یہ خیال ہے کہ زبان باہمی تقرر اور اصطلاح کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہے۔ زبان الہامی اور توقیفی نہیں لیکن امام ابوعلی نے ایک دن مجھے کہا کہ زبان اللہ کی طرف سے ہے۔ انہوں نے آیت علّم آدم الاسماء کلّھا سے استدلال فرمایا"
آگے ذکر ہے کہ امام ابوالحسن کی بھی یہی رائے ہے۔

عربی زبان اُمّ الالسنہ ہے!

قرونِ وسطیٰ میں علماء کی اکثریت کا یہی خیال رہا کہ زبان الہامی یا توقیفی نہیں نیز یہ کہ مختلف زبانیں شروع سے ہی مستقل وجود رکھتی ہیں یعنی اُن کے نزدیک کوئی ایک زبان ایسی نہیں جس سے باقی زبانیں نکلی ہوں۔ ہاں بعض خاص محققین ضرور ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے زبانوں اور آیات و احادیث پر غور و تدبر کے نتیجہ میں یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ زبان اللہ نے سکھائی ہے اور ابتداء میں ایک ہی زبان تھی۔

اس آخری زمانہ میں عظمتِ قرآن کے اظہار کے لئے اس امر کا فیصلہ ہونا ضروری تھا کہ کونسی زبان اُمّ الالسنہ ہے جس سے دوسری زبانیں نکلی ہیں۔ اس کے بغیر پیشگوئی لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کا پورا ظہور نہیں ہو سکتا تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے امام حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر وحی کے ذریعہ سے واضح فرمایا کہ عربی زبان سب زبانوں کی ماں ہے، دوسری زبانیں اس کے بیٹے بیٹیوں کی طرح ہیں۔ آپ نے اس وحی کا اعلان کرتے ہوئے تحریر فرمایا:-

"وظھر عَلَيَّ انّ القرآن ھو
اُمّ الکتب الاُولیٰ والعربیّۃ
اُمّ الالسنۃ من اللہ الاعلیٰ
وامّا الباقیۃ من اللغات
فھی لھا کالبنین والبنات"

کہ مجھ پر ظاہر ہوا ہے کہ قرآن مجید کتبِ سابقہ کی بنیاد ہے اور اللہ کی طرف سے عربی زبان باقی زبانوں کی ماں اور اساس ہے اور باقی زبانیں عربی زبان کے لئے بیٹوں اور بیٹیوں کی طرح ہیں" (منن الرحمٰن ص۴۷)

کتاب منن الرحمٰن کی تصنیف اور تحدی!

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عربی زبان کو اُمّ الالسنہ ثابت کرنے کے لئے ایک خاص کتاب بنام منن الرحمٰن تالیف فرمائی جس میں عقلی دلائل و براہین کے رُو سے نیز الہامی کتابوں کے حوالہ جات سے ثابت فرمایا کہ عربی زبان اُمّ الالسنہ ہے۔ نیز اس کتاب میں ثابت کیا گیا ہے کہ:۔

> "باقی تمام زبانیں زبان عربی کا ایک مسوخ شدہ خاکہ ہیں جس قدر یہ مبارک زبان ان زبانوں میں اپنی ہیئت میں قائم رہی ہے وہ حصہ تو لعل کی طرح چمکتا ہے اور اپنے حسن دلربا کے ساتھ دلوں پر اثر کرتا ہے اور جس قدر کوئی زبان بگڑ گئی ہے اسی قدر اسکی نزاکت اور دلکش صورت میں فرق آگیا ہے"
>
> (منن الرحمٰن ص۵)

اللہ تعالیٰ کے فضل سے منن الرحمٰن کے مقررہ اصولوں پر جماعت احمدیہ کی تحقیق اور ریسرچ دن بدن ترقی پذیر ہے۔ گزشتہ سالوں میں محترم جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر لائل پور نے نہایت عرق ریزی سے متعدد زبانوں کے اصولی الفاظ کو لیکر اُن کا اصل عربی ماخذ پیش کر دیا ہے اور ایسے اصولی طریق سے اس علمی بحث کو آگے بڑھایا کہ علماء الالسنہ اسے ماننے پر مجبور ہو رہے ہیں۔

ظاہر ہے کہ عربی زبان کے اُمّ الالسنہ ہونے کے نظریہ کے ماننے سے یہ امر بھی حل ہو جاتا ہے کہ آیا قرآن مجید میں عجمی زبانوں کے کوئی الفاظ ہیں؟

اُمّ الالسنہ اور قرآن و احادیث نبویہ

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے دعویٰ کے اثبات کے لیے عقلی دلائل عربی زبان کی وسعتوں اور خصوصیتوں کے علاوہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ سے بھی استدلال فرمایا ہے۔ آپؑ نے آیت عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کا بھی ذکر فرمایا ہے نیز آیت خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ سے بھی لطیف استنباط فرمایا ہے پھر آیت کریمہ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ سے یہ نتیجہ اخذ فرمایا ہے کہ آغاز عربی زبان سے اور مکہ شریف سے ہوا ہے۔

قرآن مجید میں مکہ معظمہ کو اُمّ القریٰ قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (الشوریٰ ع۱) اس آیت سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لطیف رنگ میں عربی زبان کے اُمّ الالسنہ ہونے پر استدلال فرمایا ہے۔

نیز آپؑ نے آیت وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

لِّلْعٰلِمِیْنَ ۝ (الروم ع ۳) سے یہ زور استنباج فرمایا کہ جس طرح انسانوں کی رنگتوں میں مختلف ملکوں اور سمواؤں کے زیر اثر اختلاف ہوا ہے اسی طرح ایک زبان سے مختلف زبانیں بن گئی ہیں یہ اختلاف اہل علم کے لئے ہستی باری تعالیٰ اور اسکی قدرتوں کا زبردست ثبوت ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کا بھی ذکر فرمایا ہے جو ابن عساکر نے درج کی ہے جس کے یہ الفاظ ہیں:

"انّ آدم کان لغتہ فی الجنّۃ العربیّۃ"

کہ حضرت آدمؑ کی جنت کی زبان عربی تھی۔ الغرض کتاب منن الرحمٰن ایک نہایت ٹھوس اور بنیادی کتاب ہے علم الالسنہ کے ماہرین کو اس کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ یہ کتاب مکمل نہ ہو سکی تھی مگر اس کے موجودہ مندرجات بھی چونکہ واضح اصولوں پر مبنی ہیں اسلئے ان پر مزید تحقیق کا میدان کھل گیا ہے اور علمائِ حق اِس میدان میں گامزن ہیں۔

فاضل مضمون نگار "فکر و نظر" اور قرآن مجید میں عجمی الفاظ

ماہنامہ "فکر و نظر" (اپریل ۱۹۷۲ء) میں جناب شوکت سبزواری نے "قرآن مجید میں عجمی الفاظ" کے زیرِ عنوان ایک مقالہ شائع فرمایا ہے جس کا آغاز یوں کیا ہے کہ :-

"قرآن کی زبان عربی ہے اور فصیح و شستہ عربی۔ قرآن میں ہے بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ۔ اسلئے قرآن میں عجمی یعنی غیر عربی الفاظ کی کھپت نہ ہونی چاہیے کیونکہ عجمی الفاظ قرآن فہمی میں سدِ راہ بن سکتے ہیں۔ عربی الفاظ کا عجمی الفاظ کے ساتھ اختلاط و ارتباط مخلِ فصاحت بھی ہے۔ عربی لفظوں کے پہلو میں عجمی الفاظ دیکھ کر کہا جا سکتا ہے " لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗ ءَاَعْجَمِیٌّ وَّ عَرَبِیٌّ۔ قرآنی آیات کی وضاحت کیوں نہیں کی گئی؟ عربی کا عجمی سے تال میل کیسا؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن میں عجمی الفاظ ہیں اور خاصی تعداد میں ہیں۔" (صفحہ ۶۶۴)

فاضل مقالہ نگار نے اس اقتباس کے ابتداء میں جو اچھی بنیادیں استوار کی تھیں انہیں اپنے فقرہ "حقیقت یہ ہے کہ قرآن میں عجمی الفاظ ہیں اور خاصی تعداد میں ہیں" سے بالکل مسمار کر دیا ہے۔ اس تضاد کی وجہ محض یہ ہے کہ ایک طرف تو وہ عربی زبان کے اُم الالسنہ ہونے کے نظریہ سے بے خبر ہیں اور دوسری طرف انہیں قرونِ وسطیٰ کے بعض علماء کے اقوال نظر آ رہے ہیں اسلئے انہوں نے لکھ دیا ہے کہ :-

"اس میں شبہ نہ ہونا چاہیئے کہ قرآن میں اجنبی الفاظ ہیں جو فارسی سے بھی لئے گئے ہیں اور لاطینی یا یونانی سے بھی —— یہ اجنبی الفاظ قرآن میں براہِ راست اجنبی زبانوں سے نہیں آئے۔ قرآن نازل

ہونے سے بہت پہلے یہ عربی میں راہ
پا چکے تھے ٹکسالی سکّے کی طرح ان کا
چلن عرب جاہلیت میں عام تھا۔ انہیں
دیکھ کو مشکل ہی سے کہا جا سکتا تھا کہ عرب
کی سرزمین میں یہ اجنبی ہیں" (ر)

گویا قرآن پاک میں کوئی عجمی لفظ براہِ راست داخل نہیں ہوا بقول مقالہ نگار جو بھی عجمی لفظ قرآن مجید میں موجود ہیں وہ ایسے ہی ہیں جو بہت پہلے عربی میں راہ پا چکے تھے اور جو زمانہ جاہلیت میں عربی زبان میں سکہ رائجہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ جنہیں دیکھ کر آسانی سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ عربی سے اجنبی ہیں۔

ایسے حالات میں مزعومہ چند عجمی الفاظ کی بنا پر یہ دعویٰ کرنا کہ "قرآن میں عجمی الفاظ ہیں اور خاصی تعداد میں ہیں" فاضل مقالہ نگار کے لئے مناسب نہ تھا۔ مانا کہ وہ ام الالسنہ کے نظریہ سے ناواقف ہیں تاہم یہ امر تو نہایت واضح ہے کہ ابھی ان مزعومہ عجمی الفاظ کا فی الحقیقت عجمی ہونا اکثر علماء کو مسلّم نہیں ہے۔

آگے چل کر محترم سبزواری صاحب نے خود بھی ایک نہایت معقول بات ذکر فرمائی ہے لکھتے ہیں:۔

"ایک لفظ کی بابت جو عربی میں بھی
ہے اور کسی اجنبی زبان میں بھی اور دونوں
میں یکساں طور پر برتا جا رہا ہے یہ کہتے ہوئے
ہر شخص جھجکتا ہے کہ وہ ایک زبان سے
دوسری زبان میں گیا یا دونوں زبانوں
میں اس نے ایک ہی شکل پر جنم لیا ہے"
(ص ۱۲۳)

اس صحت مند نظریہ کے تسلیم کرنے کے باوجود یہ بات قابل تعجب ہے کہ ایسے الفاظ کو محترم شوکت صاحب نے عجمی قرار دیکر قرآن میں داخل ٹھہرایا اور اس طرح قرآن پاک کی عظمت، شان اور اس کے بلند مقام کو نادانستہ طور پر نقصان پہنچایا ہے۔ انہیں یہ بات کہتے ہوئے کہ قرآن میں خاصی تعداد میں عجمی الفاظ موجود ہیں سو بار سوچنا چاہیے تھا۔ انہوں نے یہ کیوں نہ فرما دیا کہ در اصل یہ عربی الفاظ تھے جن کا رواج عجمی زبانوں فارسی، لاطینی اور یونانی میں بھی ہو گیا۔ اگر وہ ایسا کرتے تو ان کا کچھ نہ بگڑتا بلکہ وہ ایک صداقت کا اعلان کرنے والے قرار پاتے۔

علماءِ السنہ کی "تحقیق" کی حقیقت

جن "علماء تحقیق" کے بیانات کی بنا پر لوگ قرآن مجید میں عجمی الفاظ کی "خاصی تعداد" تسلیم کرنے لگ پڑے ہیں ان کی "تحقیق" کا تفصیلی جائزہ لینا تو ہمارے موضوع کا مقصد نہیں البتہ ہم اس جگہ فاضل مضمون نگار کے تین اقتباس پیش کر دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:۔

(۱) "بعض اہلِ علم نے اس مناسبت سے

دھوکا کھا کر ہی عربی "بخس" کو فارسی "بخس" سے ماخوذ قرار دیا ہے۔ جسے میں صحیح نہیں سمجھتا۔"

(رسالہ فکر و نظر صہ ۶۶۹)

(۲) آرتھر جیفری کی کتاب درباره معربات کے سلسلہ میں لکھا ہے :-

"یہ امر افسوسناک ہے کہ اس باب میں تحقیق سے تو کام لیا گیا۔ غیر معمولی کاوش بھی ہوئی لیکن تعصّب یا جانب داری سے بالاتر ہو کر کام کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ نسلی یا قومی تعصّب بھی برتا گیا اور اعتقادی یا مذہبی جنبہ داری بھی کی گئی۔ قومی تعصّب کا ذکر ابو منصور ثعالبی نے کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تعصّب پانچویں صدی ہجری میں بھی تھا اور ازہری، حمزہ اصفہانی جیسے اساطین و مشاہیر فن و ادب اس میں مبتلا تھے۔ عرب زرد رنگ کے عماموں کو مھراۃ کہتے تھے ازہری مھراۃ کو ھرات سے مشتق بتا کر لکھتے ہیں کہ ہرات سے درآمد ہونے کے باعث انہیں مھراۃ کہا گیا۔ حمزہ اصفہانی عربی "سام" (چاندی) کو فارسی "سیم" کا معرب بتاتے ہیں۔ ثعالبی علماء کے ان اشتقاقات کو پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کی تحقیقات میں تعصّب کا بڑا دخل ہے۔ ازہری نے ہرات سے ہمدردی کی بنا پر یہ اشتقاق اپنے دل سے گھڑا اور حمزہ اصفہانی نے فارسی سے تعلق کی بنا پر۔ فارسی معربات کی کثرت ثعالبی کے خیال میں بیشتر تعصّب اور جانبداری کی رہین منّت ہے۔"

(فکر و نظر صہ ۶۷۲)

(۳) ادی شیر کی کتاب الالفاظ الفارسیۃ المعربۃ کے سلسلہ میں فاضل مضمون نگار لکھتے ہیں :-

"بعض قرآنی الفاظ کے بارے میں جو تحقیقات اس رسالے میں پیش کی گئی ہے وہ بڑی حد تک گمراہ کن ہے۔"

(فکر و نظر صہ ۶۷۳)

ظاہر ہے کہ دھوکہ، تعصّب اور گمراہ کن جانب داری کے مرتکب ان علماء السنہ کے زعم کی بنا پر یہ دعویٰ کر دینا کہ "معربات کی القہ قرآن میں کثرت ہے" خود فریبی کی ایک مثال ہے۔ ہمارے نزدیک ایسے علماء کی تحقیق کو تحقیق قرار دینا ہی سرے سے غلط ہے۔

خود مقالہ نگار نے اس سلسلہ میں جو آخری مثال ذکر کی ہے وہ یوں ہے لکھتے ہیں :-

"صرف ایک مثال اور پیش کروں گا۔

"ہمیف" کو کسی معقول شہادت اور لسانی قرینے کے بغیر، اٹکل سے انہوں نے فارسی سپیدبر (سپید + بر = سینہ) کا معرب سمجھا۔" (فکر و نظر ص ۱۲۴)

معزز قارئین غور فرمائیں کہ جب "علماء لغات" نے اندھا دھند بے دلیل، محض اٹکل سے قرآنی الفاظ کو معرب یا عجمی زبانوں کے الفاظ قرار دینے کا وطیرہ اختیار کر رکھا ہو تو اُن کے بیانات پر کون سا عقلمند اعتماد کر سکتا ہے؟

جمہوری عقیدہ کہ قرآن میں عجمی الفاظ نہیں ہیں!

اُمتِ مسلمہ کا شروع سے یہی عقیدہ چلا آیا ہے کہ قرآن مجید میں کوئی عجمی لفظ نہیں ہے۔ امام جلال الدین السیوطی لکھتے ہیں:-

"قال الجمهور ليس في كتاب الله سبحانه شئ بغير لغة العرب لقوله تعالىٰ إِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وقوله تعالىٰ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ وادّعى ناس ان في القرآن ما ليس بلغة العرب حتّٰى ذكروا لغة الروم والقبط والنبط۔"

(المزهر مطبوعہ مصر جلد ا ص ۲۶۶)

ترجمہ: جمہور مسلمانوں کا مذہب ہے کہ آیت کریمہ إِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا اور آیت کریمہ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ کے مطابق قرآن پاک میں عربی زبان کے علاوہ کسی زبان کا کوئی لفظ نہیں ہے۔ ہاں بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ قرآن مجید میں عربی کے علاوہ بھی الفاظ ہیں انہوں نے رومی زبان، قبطی اور نبطی زبان کا بھی ذکر کیا ہے۔"

آگے چل کر امام السیوطی لکھتے ہیں:-

"وزعم اهل العربية انّ القرآن ليس فيه من كلام العجم شئ لقوله تعالىٰ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وقوله بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ" (المزهر ص ۲۶۹)

کہ اہلِ عربیہ کا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید میں کوئی عجمی لفظ موجود نہیں ہے۔

امام لغت ابو عبیدہ نے دونوں اقوال یعنی قرآن مجید میں عجمی الفاظ کے وجود و عدم وجود میں یوں تطبیق دی ہے۔ کہتے ہیں:-

"انّ هٰذه الحروف اصولها عجمية كما قال الفقهاء إلّا انّها سقطت الى العرب فاعربتها بألسنتها وحوّلتها عن الفاظ العجم الى الفاظها فصارت عربية ثمّ نزل القرآن وقد اختلطت

هٰذه الحروف بكلام العرب
فمن قال انها عربية فهو
صادق ومن قال عجمية فهو
صادق" (المزهر ۲۹۹)

کہ یہ پیش کردہ الفاظ، ان کے اصول عجمی ہیں جیسا فقہاء کا قول ہے۔ لیکن یہ الفاظ عرب میں پہنچ گئے تو عربوں نے اپنی زبانوں میں انہیں عربی بنا ڈالا اور عجمی الفاظ کو عربی الفاظ میں بدل دیا۔ پس یہ عربی بن گئے۔ پھر قرآن مجید کا نزول ہوا اس وقت تک یہ الفاظ کلام عرب میں گھل مل گئے تھے۔ پس جو شخص ان الفاظ کو عربی قرار دیتا ہے وہ بھی سچا ہے اور جو اُن کو عجمی ٹھہراتا ہے وہ بھی درست کہتا ہے۔"

گویا امام ابو عبیدہ تسلیم فرماتے ہیں کہ جن قرآنی الفاظ کو عجمی قرار دیا جاتا ہے وہ محض اس رنگ میں درست مانا جا سکتا ہے کہ وہ الفاظ ابتداءً ان زبانوں میں مستعمل ہوئے مگر بعد ازاں وہ عربیت کے جامہ میں ملبوس ہو گئے اسلئے اب وہ عربی الفاظ ہیں۔

اگر امام ابو عبیدہ پر عربی زبان کا اُم الالسنہ ہونا واضح ہو جاتا تو ان کا بیان معکوس ہوتا یعنی وہ یوں فرماتے کہ جن قرآنی الفاظ کو لوگوں نے عجمی قرار دیا ہے وہ اصل کے لحاظ سے تو عربی تھے اور عربی ہیں لیکن عجمی زبانوں نے ان کو مستعار لیکر اپنا لیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور اُمت نے یہی نظریہ قبول کیا ہے کہ قرآن پاک میں کوئی عجمی لفظ نہیں۔ یہی اہلِ عربیہ کا بھی قول ہے۔

نظریۂ اُمّ الالسنہ کا ذکر بلادِ عربیہ میں

ہمارے نزدیک نظریۂ اُمّ الالسنہ انسان کو تمام مخصوں سے مخلصی بخشتا ہے۔ پہلے محققین کے بھی اس بارے میں بعض اشارات موجود ہیں مگر اس نظریہ کو ایک محکم اور بنیادی نظریہ کی صورت میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پیش فرمایا ہے۔ اب آئندہ زبانوں کی تحقیقات میں اسے اساس قرار دیا جائیگا۔

مجھے ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۶ء تک سلسلہ تبلیغ اسلام عرب ممالک میں رہنے کا موقعہ ملا ہے۔ اُن دنوں فلسطین میں یہود کی آمد آمد تھی۔ انہیں پیغام اسلام پہنچانے کی غرض سے مَیں نے ایک یہودی عالم سے عبرانی پڑھی اور یہود کو عبرانی اشتہارات کے ذریعہ دعوتِ اسلام دی۔ ایک دن دورانِ تعلیم عربی اور عبرانی میں رشتہ پر بات چل پڑی۔ استاد نے کہا کہ عبرانی اصل ہے اور عربی اس کی بیٹی ہے مَیں نے کہا کہ بات بالکل برعکس ہے۔ پھر اس پر گفتگو ہوئی کہ عربی زبان میں جو کام اعراب اور تنوین سے لیا جاتا ہے عبرانی میں اس کے لئے لفظ کی ضرورت پڑتی ہے۔ اختصار اور وسعتِ معانی کے لحاظ سے بھی

عربی زبان کو برتری حاصل ہے۔

اس عرصہ میں مجھے مصر میں مرحوم الدکتور زکی مبارک آفندی سے جو زبان کے ماہر تھے، ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ عربی زبان کی وسعت پر گفتگو ہو رہی تھی میں نے کہا کہ اگر عربی زبان کو اُمّ الالسنہ قرار دیا جائے تو آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمانے لگے کہ مستشرقین اس نظریہ کو تسلیم نہیں کریں گے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ نے اپنی کتاب "النثر الفنّی" کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے کہ علمی تحقیق اسلئے آگے نہیں بڑھتی کہ لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شخص اس سے متفق نہیں حالانکہ ایسا کہنا تحقیق کے سلسلہ میں کوئی معنے نہیں رکھتا۔ ڈاکٹر مرحوم بہت زیرک تھے فرمانے لگے کہ ہاں یہ نظریہ قابلِ غور ہے اور ہمیں اس پر سوچنا چاہیئے۔ میں نے ذکر کیا کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے خدا سے علم پا کر یہ اعلان فرمایا ہے کہ عربی زبان اُمّ الالسنہ ہے اور اس سلسلہ میں آپ کی کتاب منن الرحمٰن ایک خاص کتاب ہے۔ فرمانے لگے کہ یہ بہت بڑا اعلان ہے، اس کے ثابت ہو جانے پر اُن کا نبی مانا جانا یقینی ہے۔ یہ دعویٰ بجز نبی کے کون کر سکتا ہے کیونکہ دنیا کے علمائے لغت تو ابھی اس نظریہ کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔

آج بھی احمدیت کا پیش کردہ نظریہ اُمّ الالسنہ عالمِ اسلام اور دیگر محققینِ السنہ کے لئے خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔

عربی زبان کا رشتہ سامی زبانوں سے

جناب شوکت سبزواری لکھتے ہیں:-

"میں اس امر کی وضاحت بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ عربی سامی خاندان کی زبان ہے جس کا اپنے خاندان کی قدیم و جدید زبانوں یعنی آرامی، کلدانی، اشوری، بابلی، سریانی، عبرانی، حبشی سے قریب ہی نہیں قرابتی تعلق بھی ہے۔ اِن زبانوں کے بنیادی الفاظ عربی میں ہیں، عربی کے الفاظ اِن زبانوں میں لیکن ان کی شکل و شباہت بدلی ہوئی ہے۔ عربی میں یہ عربی ماحول اور مزاج کے مطابق ہیں اسلئے ان کے کسی لفظ کو کسی ایک زبان کے پلّو میں باندھنا اور یہ کہنا درست نہیں کہ یہ لفظ عربی نے عبرانی سے لیا یا اس کے برعکس عبرانی نے عربی سے لیا۔ اس قسم کے تمام الفاظ اِن زبانوں کا مشترک سرمایہ ہوں گے اور ہر زبان کا ان پر مساویانہ حق سمجھا جائے گا"

(فکر و نظر صفحہ ۱۶۷)

سامی زبانوں کے جس "مشترک سرمایہ" کا ذکر اس اقتباس میں کیا گیا ہے اسے کسی ایک زبان کے پلّو میں باندھنے کے لئے معقول اصول ہونے چاہئیں۔ اگر اُمّ الالسنہ کا نظریہ تسلیم کر لیا جائے

تو معاملہ نہایت صاف ہے بصورت دیگر وسیع اور تفصیلی تحقیق کے رُو سے یہ تصفیہ ہو سکتا ہے۔ عربی زبان کے مفردات اور مشتقات کے واضح اصول اس تحقیق میں رہنمائی کر سکتے ہیں۔ عربی کو سامی خاندان کی زبان قرار دینا محدود تحقیق کا نتیجہ ہے ورنہ عربی کو ساری زبانوں کے ساتھ ماں کا رشتہ ہے۔

اس جگہ رشتہ کے سلسلہ کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی تفسیر بابت عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کا یہ اقتباس پڑھنا ضروری ہے۔ لکھا ہے :۔

"میری مراد اُوپر کی تحریر سے یہ ہرگز نہیں کہ عربی زبان اپنی موجودہ شکل میں آدم علیہ السلام کو سکھائی گئی یا یہ کہ آدم علیہ السلام کے بعد اس نے ترقی نہیں کی بلکہ میری مراد صرف یہ ہے کہ اس آیت کے مفہوم کے مطابق عربی زبان کے بعض اصول پر اس وقت بنیاد رکھی گئی تھی۔ باقی رہا یہ کہ وہ بعد میں تبدیل بھی ہوئی یا اس میں اور الفاظ کی ترقی ہوئی اس کا نہ اس مسئلہ سے تعلق ہے نہ اس سے عربی زبان کی اس افضلیت یا خصوصیت میں کوئی فرق آتا ہے۔ اصول وہی ہیں ہاں ان اصول کی اتباع میں زبان آگے ترقی کرتی چلی گئی ہے اور آئندہ بھی ترقی کر سکتی ہے۔" (تفسیر کبیر جلد اجزو اوّل صفحہ ۳۱۴)

عربی زبان میں "معرّبات کی بہتات"؟

جناب شوکت صاحب کو معربات کے بارے میں خاصی الجھن ہے اور ان کا اصرار ہے کہ کم از کم دو تین غیر عربی الفاظ کا معرب ہونا مان لیا جائے۔ لکھتے ہیں :۔

"اہلِ عرب جن الفاظ کو اپنا لیں اور تصرف کے بعد یا بلا تصرف جوں کے توں عربی میں استعمال کرنے لگیں وہ معرب ہونگے۔ قرآن میں معربات کی بہتات ہے میں صرف ایک دو مثالوں پر اکتفا کروں گا۔"

(فکر و نظر صفحہ ۶۶۹)

اس پر پہلا سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کوئی لفظ عربی زبان میں بکثرت استعمال ہوتا ہے نیز اس کے دوسرے مشتقات بھی عربی زبان میں موجود ہیں تو اسے غیر عربی اور معرب قرار دینے کی کیا تُک ہے؟ کیا ایسے الفاظ کو دراصل عربی قرار دینے میں کوئی روک ہے؟ کیوں یہ نہ کہا جائے کہ اصل میں یہ الفاظ عربی تھے لیکن دوسری زبانوں میں عربی کے اُمّ الالسنہ ہونے کے باعث ان کا اصل یا مسخ شدہ شکل میں انتقال ہو گیا ہے اور وہ وہاں بھی مستعمل ہو گئے ہیں۔

ہمیں حیرت ہے کہ شوکت صاحب نے قرآن میں "معربات کی بہتات" کا دعویٰ کس علمی دلیل کی

بناء پر کیا ہے؟

"معربات" کی مثالیں

فاضل مضمون نگار نے تین الفاظ پیش کئے ہیں۔

(۱) استبرق۔ اس کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"استبرق کے معنے ہیں موٹا ریشمی یا زرتار کپڑا۔ قرآن میں ہے مُتَّكِئِينَ عَلٰى فُرُشٍ بَطَائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ (تکیہ لگائے ہوئے ایسے فرشوں پر جن کے استر دبیز ریشم کے ہونگے) اس کے بے شمار قرائن ہیں کہ استبرق عربی نہیں معرب ہے۔" (صفحہ ۹۷)

فاضل مضمون نگار نے "بے شمار قرائن" کا صرف لفظ ذکر کیا ہے قرائن کا ذکر نہیں کیا۔ یہ خود اُن کا دعویٰ ہے کہ استبرق عربی نہیں ہے اور دعویٰ بھی بے دلیل۔

عربی زبان کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں ہر نام کی وجہ تسمیہ موجود ہے۔ باقی زبانوں میں یہ بات شاذ نظر آتی ہے تفصیلی بحث کا یہ موقعہ نہیں اس کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے مگر استبرق کی وجہ تسمیہ پر سرسری نظر ڈالنے سے ہی اس کا عربی ہونا ظاہر ہو جاتا ہے۔ ریشم کی چمک اس کے استبرق نام کی ایک واضح بناء ہے۔ اس کے مادہ کا عربی ہونا بالبداہت ثابت ہے۔

(۲) دوسرا لفظ فاضل مضمون نگار نے "سربال" پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"سربال قرآن میں کُرتے کے معنوں میں دو جگہ استعمال ہوا ہے۔ سورہ ابراہیم میں ہے سَرَابِيلُهُمْ مِنْ قَطِرَانٍ (ان کے کُرتے گندھک کے ہوں گے) سورہ نحل میں ہے وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيكُمْ بَأْسَكُمْ (خدا نے تمہارے لئے ایسے کُرتے بنائے جو گرمی سے تمہیں محفوظ رکھتے ہیں اور ایسے کُرتے 'زرہیں' جو جنگوں میں تمہارا بچاؤ کرتے ہیں) سربال کی اور بھی کئی شکلیں عربی ادب میں مستعمل ہیں۔"

(فکر و نظر صفحہ ۹۷)

اسکے بعد مضمون نگار کا ارشاد ہے کہ:۔

"یہ فارسی شلوار (ازار) کا معرب ہے۔"

ہمارے نزدیک کسی محقق کو ایسی کچی اور بے دلیل بات کہنے کی ہرگز جرأت نہ کرنی چاہیئے۔ ازار تو خود عربی لفظ ہے جسے فارسی والوں نے عربی سے لیا ہے۔ شلوار اور سربال میں کیا اشتراک ہے؟

(۳) اس سلسلہ کی آخری مثال مضمون نگار یوں بیان کرتے ہیں:۔

"معرب کی واضح ترمثال سراج

ہے جس کے معنے ہیں چراغ یا قندیل حضور اکرمؐ کو آپ کے روشن پیغام کے تعلق سے قرآن میں سراج منیر کہا گیا ہے اور سورج سراج وھّاج ہے۔ سراج کو چراغ کی تعریب سمجھے (؟) یہ آرامی میں بھی ہے اور سریانی میں بھی لیکن اصلاً فارسی ہے۔ سامی، ترکی وغیرہ زبانوں کا سراج فارسی یا پہلوی چراغ سے روشن ہوا ہے۔" (ف۶۱)

ہمارے نزدیک سراج کو اصل قرار دینا چاہیئے اس کی قدامت کے باعث اور اس کے دیگر مشتقات کی وجہ سے۔ نیز اس کی وجہ تسمیہ کی اساس پر۔ سامی اور ترکی وغیرہ میں بھی عربی سراج روشن ہے پہلوی چراغ نہیں۔ پہلوی چراغ عربی سراج کی روحانی اور مادی روشنیوں کے سامنے ماند پڑ چکا ہے۔ فاضل مقالہ نویس کا سراج کو معربات کی "واضح تر مثال" قرار دینا سراسر جنبہ داری ہے ورنہ سراج میں اسکے مادہ کے لحاظ سے بھی عربیت کی چمک دمک نمایاں ہے۔

خلاصۂ مضمون

قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ وہ عَرَبِیٌّ مُبِیْنٌ میں نازل ہوا ہے معجزانہ فصاحت پر مشتمل ہے، اس پر اعجمیت کا اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اسکی ساری سورتیں، ساری آیتیں، تمام الفاظ و حروف عربی زبان پر مشتمل ہیں۔ قرآن مجید چونکہ اُمّ الکتب ہے اور عالمگیر کتاب ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے اسے عربی زبان میں نازل فرمایا جو تمام زبانوں کے لئے اُمّ کی حیثیت رکھتی ہے۔ عربی زبان کا اُمّ الالسنہ ہونا قرآن مجید کے عالمگیر شریعت ہونے پر ایک دلیل ہے۔

قرونِ وسطیٰ میں تعصب اور جنبہ داری یا کم علمی کے باعث قرآنِ پاک کے چند الفاظ کو لوگوں نے عجمی قرار دیا تھا۔ جن کا پوری تحقیق پر عربی ہونا بدیہی طور پر ثابت ہے لیکن اِس آخری دَور میں اللہ تعالیٰ نے عربی زبان کے اُمّ الالسنہ ہونے کے نظریّہ کو ثابت فرما کر اس امر کا قطعی فیصلہ فرما دیا کہ جن قرآنی الفاظ کو عجمی سمجھا گیا تھا وہ بھی دراصل عربی ہیں۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے جس شدومد سے نظریۂ اُمّ الالسنہ کو ثابت فرمایا ہے اور جن واضح اصولوں پر اس کی بنیاد رکھی ہے وہ ہر محقق کے لئے قابلِ غور ہیں۔ آج سلسلہ احمدیہ کے علماء اور بعض دوسرے لوگ بھی ان اصولوں کی روشنی میں عربی زبان کے اُمّ الالسنہ ہونے پر مزید تحقیق کر رہے ہیں۔ بَارَكَ اللّٰهُ فِیْ مَسَاعِیْهِمْ۔ آمین

ظاہر ہے کہ اِس نظریہ کی صحت کی صورت میں کسی غیر عربی یا عجمی لفظ کے قرآن مجید میں موجود ہونے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین +

تصحیح محترم جناب مرزا عبدالحق صاحب اور محترم مولوی محمد عرفان صاحب کے مضامین حج میں تلبیہ کے الفاظ یوں پڑھے جائیں۔ (ادارہ)

لبّیک اللھم لبّیک لبّیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک +

شذرات

۱۔ مسلمان کی تعریف اور طریق فیصلہ

جناب مودودی صاحب نے مقالہ "علماء کی کافرگری" میں تحریر کیا ہے:۔

"جہاں تک کسی شخص کے درحقیقت مومن یا غیر مومن ہونے کا تعلق ہے اس کا فیصلہ کرنا تو کسی انسان کا کام ہی نہیں۔ یہ معاملہ تو براہِ راست خدا سے تعلق رکھتا ہے اور وہی اس کا فیصلہ قیامت کے روز فرمائے گا۔ ہم بندے تو ان کے فیصلے کرنے کی چیز اگر کوئی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ خدا اور اسکے رسولؐ نے ملتِ اسلام کے جو امتیازی نشانات بتائے ان کے لحاظ سے کون شخص سرحد اسلام کے اندر ہے اور کون اس سے باہر نکل گیا ہے اس غرض کے لئے جو چیزیں ہم کو بنائے اسلام کی حیثیت سے بتائی گئی ہیں وہ یہ ہیں:۔

اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے اگر وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔

یہ ہیں اسلامی سوسائٹی کے سرحدی نشانات، جو لوگ ان سرحدوں کے اندر ہیں ہم کو حکم ہے کہ اُن کے ساتھ مسلمان کا سا معاملہ کریں انہیں ملت سے خارج کرنے کا کسی کو حق نہیں۔"

الفرقان۔ اس پر مزید کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں لیکن ان لوگوں پر افسوس ہے جو خدا بن کر مومن و غیر مومن کا فیصلہ کر رہے ہیں۔

۲۔ جہاد کے فتویٰ کو مولویوں نے "دیوانگی" قرار دیا

مضمون "پاکستان کی عوامی تحریکیں" میں احمد سلیم صاحب لکھتے ہیں:۔

"جہاد کے فیصلہ کی شرعی حیثیت بالکل ختم ہو کر رہ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ دہلی کے مولویوں کی بہت بڑی اکثریت نے جہاد کے فیصلے کو دیوانگی قرار دیتے ہوئے اسے ماننے سے انکار کر دیا تھا بلکہ اسکے خلاف عملی مظاہرے بھی ہوئے تھے۔" (روزنامہ مساوات لاہور ۲۱ر جون ۱۹۷۲ء)

الفرقان۔ حضرت مولوی اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کی تحریک جہاد کو علماء نے دیوانگی قرار دیا تھا اس طرح وہ گویا "جہاد" کے منکر ہو گئے تھے۔

اظہارِ تشکر

"قرآن نمبر" میں محترم جناب شیخ نور احمد صاحب منیر کا ایک مفید مضمون "قرآنی سورتوں کی وجہ تسمیہ اور حکمت" شائع ہو رہا ہے ادارہ ان کا اس مضمون پر بہت شکر گزار ہے مضمون کافی طویل تھا لیکن کاغذ کی کمی کے باعث ہمیں کافی اختصار کرنا پڑا۔

جزاہ اللہ خیراً۔ (ایڈیٹر)

قرآنی سورتوں کی وجہ تسمیہ

(محترم جناب شیخ نور احمد صاحب منیر سابق مبلغ بلادِ عربیہ)

حرفِ اوّل

عرصہ دراز سے عاجز کی یہ خواہش تھی کہ قرآنی سورتوں کی وجہ تسمیہ علمی اور تحقیقی انداز میں مختصراً شائع کی جائے۔ اس غرض کے لئے قاہرہ، دمشق، بیروت اور بیت المقدس کی مختلف مشہور لائبریریوں میں کتب کی ورق گردانی کرتا رہا۔ چنانچہ گزشتہ سال ۱۹۷۱ء ماہ مئی میں میں نے اس مقالہ کی تحریر کا آغاز کیا۔

اس مقالہ میں ہر سورۃ کے نام کی وجہ تسمیہ تحریر کی گئی ہے۔ ہر سورۃ کا نام اور عنوان سورۃ کے مشمولات کے سمجھنے کے لئے بمنزلہ ایک چابی کے ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ کے سمجھنے کے بغیر سورۃ کے نفسِ مضمون اور مندرجات کا سمجھنا مشکل ہے۔ ہر سورۃ کے نام کی وجہ تسمیہ کے ضمن میں سورۃ کے مضامین مختلفہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ جن سورتوں کے اسماء کسی تاریخی واقعہ کی بناء پر رکھے گئے ہیں وہاں تاریخی واقعات کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ بعض سورتوں کے نام انبیاء کے ناموں پر رکھے گئے ہیں وہاں اختصاراً اس نبی کے حالات درج کئے گئے ہیں۔ اسی طرح اقوام کے احوال وکوائف درج کر دیئے گئے ہیں۔

بعض سورتوں کے اسماء کی تشریح میں لغوی تشریح کی گئی ہے۔ اس غرض کے لئے اقرب الموارد، مفرداتِ راغب اور المنجد کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ وجہ تسمیہ کے ضمن میں عصرِ حاضر کے متعلق قرآنی پیشگوئیوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ قرآنی احکام کا فلسفہ، فضائلِ قرآن، قرآن کریم کے اخلاقی نظریات، اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اہم تاریخی واقعات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ گویا یہ مقالہ حدیقۃ القرآن ہے جس میں رنگارنگ کے قرآنی پھول ہیں۔

میں یہ مقالہ استاذی المفضال حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری کی خدمت میں ایک رؤیا کی بناء پر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ قرآنی معارف کی اشاعت میں مولانا کی خدمات مشہور و معروف ہیں۔ (شیخ نور احمد منیر)

(۱) سُورَۃُ الفَاتِحَة

سورۃ الفاتحہ قرآن کریم کے ابتداء میں

خدا تعالیٰ کی وحی سے ترتیب توقیفی کے ماتحت رکھی گئی ہے کیونکہ اسلام کے نظریۂ توحید کو اس میں انتہائی جمالی و جلالی اور کمال کے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ کے حضور خشوع و خضوع اور انکساری کے ساتھ عبادت کرنے کے لئے جن دلسوز کلمات اور الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے وہ معنوی اعتبار سے جامع و مانع ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ہستی کا جلوہ ہر لفظ میں نظر آتا ہے۔ نیز قرآنی مضامین کا بہترین خلاصہ اس میں پیش کیا گیا ہے۔ یہی وہ سورۃ ہے جس کا ذکر بطور پیشگوئی مکاشفات ۱۰ میں ہوا ہے۔ عبرانی لفظ "فتوحة" دراصل فاتحہ کے معنوں میں آیا ہے۔ مکاشفات میں جو الفاظ اس سورۃ کے متعلق عربی میں مذکور ہیں وہ اس سورۃ کی عظمتِ شان کو بطور پیشگوئی کے بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے :-

"ومعه فی یده سفر صغیر
مفتوح فوضع رجله الیمنی
علی البحر والیسری علی
الارض۔ وصرخ بصوتٍ
عظیم کما یزمجر الاسد
وبعد ما صرخ تکلمت الرعد
والسبعة باصواتها۔"

یعنی اس (فرشتے) کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی کھلی ہوئی کتاب تھی۔ اُس نے اپنا دایاں پاؤں تو سمندر پر رکھا اور بایاں خشکی پر اور ایسی بڑی آواز سے چلایا جیسے شیر ببر دہاڑتا ہے۔ اور جب وہ چلایا تو گرج کی سات آوازیں سُنائی دیں۔"

عبارت بالا میں گرج کی سات آوازوں سے مراد اس سورۃ کی سات آیات ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی سورۃ کسی نبی پر نازل نہیں ہوئی۔ قرآن کریم وحدیث شریف میں اس سورۃ کے کئی نام بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) فاتحة الکتاب میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ اس سورۃ کے مضامین قرآنی معارف وعلوم کے لئے بطور چابی کے ہیں۔ (۲) اُمّ القرآن۔ (۳) اساس القرآن (۴) القرآن العظیم (۵) الکنز (۶) الصلوٰۃ (۷) تعلیم المسئلة (۸) الحمد (۹) الشکر (۱۰) السبع المثانی (۱۱) الشفاء (۱۲) الرقیة (۱۳) الکافیة دراصل یہ اسماء کثیرہ اس سورۃ کے اوصاف، خصائص اور فضائل پر دلالت کرتے ہیں اور ان مختلف اسماء صفاتیہ سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ سورۃ قرآن کریم کا متن ہے اور باقی قرآن سورۃ فاتحہ کی تفسیر ہے۔

خدا تعالیٰ نے قرآنی معارف و مضامین از سورۃ بقرہ تا سورۃ الناس کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں بیان فرما دیا ہے۔ چنانچہ :-

(الف) قرآن کریم کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید اور اس کی صفات کو بیان

کرتا ہے تاکہ کسی قسم کی شرک کی آمیزش نہ
ہو اور کامل توحید کے اعتراف کے ساتھ
خدا تعالیٰ کی عبادت کی جائے۔ اس غرض
کے لئے قرآن مجید کے کئی مقامات پر ان
باتوں کو مختلف زاویہ ہائے نگاہ میں پیش
کیا گیا ہے اور معبودانِ باطلہ کے شرک
کو پاش پاش کر دیا گیا ہے۔ یہ مفہوم اور
مضمون الحمد للہ میں بیان کیا گیا ہے۔

(ب) ربّ العٰلمین میں بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ
کی ذات ہی اکمل ہے۔ وہی اس دنیا کا
خالقِ حقیقی ہے۔ اس میں رنگ و نسل و قومیت
کے امتیاز کو مٹایا گیا ہے۔ اور جو کچھ اس
کائنات میں ہے وہ مخلوق ہے۔ سب اقوام
عالم اور ممالک کا خدا ایک ہی ہے۔ اس میں
اسلامی نظریۂ توحید کی برتری کو نمایاں کیا گیا ہے۔

(ج) الرّحمٰن میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ رحمتِ
الٰہی وسیع ہے اور اس کا استحقاق ہر فردِ بشر
کو پہنچتا ہے۔ اس دنیا کا کائناتی نظام
خدا تعالیٰ کی اس صفت کے مطابق جاری و
ساری ہے۔

(د) الرّحیم میں یہ بتلایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ
ہی اسباب مہیا فرماتا ہے۔ انسان کے
اعمال کے نتائج اور اس کا پھل بھی محض
خدا تعالیٰ کے فضل و رحم سے ہی ملتا ہے۔
اور کوشش اپنی جگہ پر ضرور کرنی چاہیئے۔
مگر اس کا نتیجہ محض اس کے رحم پر موقوف ہے

(ھ) مٰلکِ یوم الدّین میں یہ بتایا گیا ہے کہ
یومِ حشر و نشر میں سوال و جواب کو بھی
ملحوظ رکھنا۔ وہاں نہ تو کسی قسم کی رفاقت
اور نہ ہی رشتہ داری کام آئے گی۔ وہاں
اعمال کا حساب دینا ہوگا جس کے لئے تم کو
پہلے ہی خبردار اور آگاہ کر دیا گیا ہے کہ
وہ خدا جزا و سزا کے دن کا مالک ہے۔
غلط فیصلہ کرنے والے یا کروانے والے۔
مکر فریب اور مقدمہ سے دوسروں کا مال
کھانے والے لوگ خدا تعالیٰ کے حضور
جوابدہ ہوں گے۔ اچھے اعمال کرنے والے
اشخاص خدا تعالیٰ کے حضور اجرِ عظیم حاصل
کریں گے۔ یہ وہ اسلام کا بنیادی اصلاحی
نظریہ ہے جس سے قوم میں تعمیری کردار پیدا
ہوتا ہے۔ عیسائی کفارہ پر اس آیت میں
ضرب کاری لگائی گئی ہے جو اصلاحِ نفس
کی بجائے گناہ پر انسان کو دلیر بناتا ہے۔

(و) ایّاکَ نعبد و ایّاکَ نستعین میں
انتہائی تضرّع اور اخلاص کا اظہار کرتے
ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ اچھے عمل کی توفیق
محض خدا تعالیٰ کے فضل سے ملتی ہے۔ وہی
ہمارا معبود ہے اور اس غرض کے لئے
اے خدا ہم تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں
اور تیری ذات کا ہی سہارا تلاش کرتے ہیں۔

اِن الفاظ میں ہر قسم کے ریاء و تکبّر کا تریاق بیان کیا گیا ہے۔

(ز) اِھدنا الصّراط المُستقیم میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ہر کام کے لئے دعا کرنی اور دعا نیک اور مبارک مقصد کے لئے ہو اور نیت صالحہ ہو۔

قرآن کریم اُن اقوام و ملل کے حوالہ کوائف بیان کرتا ہے جن پر خدا تعالےٰ کا انعام و اکرام ہُوا۔ اور ان اقوام کے حالات بھی بیان کرتا ہے جن پر خدا تعالےٰ کا غضب ہُوا اور جو صحیح راستہ سے بھٹک گئے ہیں۔ گویا اس آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو بتلایا ہے کہ تم ایسے کام کرو جن کے ذریعہ رضاءِ ربانی حاصل ہو اور خدا تعالیٰ کے غضب سے بچتے رہو۔

(ح) مغضوب علیھم سے مراد یہود اور ضآلین سے مراد عیسائی قوم ہے اور اس میں فرزندانِ اسلام کو یاجوج ماجوج اور دجّال کے فتنہ سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔ ہر مسلمان ہر رکعت میں، فرائض و نوافل میں یہ دعا پڑھتا ہے لیکن اس کے باوجود کس قدر افسوس کی بات ہے کہ بہت سے مسلمان یاجوج و ماجوج کی تہذیب و تمدّن کے دلدادہ ہو گئے ہیں ـــــ یہ حقیقت ہے کہ اس سورۃ میں قرآن کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔

اور یہ سورۃ اِس لحاظ سے فاتحہ ہے کہ قرآن کریم کے سمجھنے کے لئے بطور ایک چابی کے ہے اور اس سورۃ میں گویا دریا کو کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے۔ اِس سورۃ کا اسلوب دُعائیہ ہے اور غیر مسلم محققین نے اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ اسلوب دُعا بہت ہی مؤثر ہے اور دل کو اپیل کرتا ہے۔

(۲) سُورَۃُ البَقَرۃ

یہ سورۃ قرآن کریم کی تمام سورتوں میں طویل تر ہے اور متعدد مضامین پر مشتمل ہے۔ اس میں مغضوب علیھم گروہ یعنی یہود کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کا ایک عبرت انگیز واقعہ اس سورۃ میں بیان ہُوا ہے۔ یہود کو اللہ تعالےٰ نے حکم دیا تھا کہ وہ ایک خاص گائے کو ذبح کریں مگر وہ اس کے لئے تیار نہ ہوتے تھے۔ فرعون کی قوم گائے کی پرستش کرتی تھی۔ اسرائیلی ایک عرصہ تک فرعونیوں کے ماتحت مصر میں رہے۔ ان کے زیر اثر اسرائیلیوں کے قلوب میں بھی گائے کی عظمت گھر کر چکی تھی۔ حتّٰی کہ شریروں کے ورغلانے سے وہ اس کی عبادت کیلئے بھی تیار ہو جاتے تھے۔ خروج ۳۲/۲-۴ میں لکھا ہے:-

"چنانچہ سب لوگ ان کے کانوں سے سونے کی بالیاں اتار اُتار کر انکو ہارون کے پاس لے آئے اور اُس نے اُنکو اُنکے ہاتھوں سے لیکر ایک ڈھالا ہُوا بچھڑا

بنایا جس کی صورت بچھڑے سے ٹھیک کی۔
جب وہ کہنے لگے اے اسرائیل یہی تیرا
وہ دیوتا ہے جو تجھ کو ملک مصر سے نکال
لایا۔"

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے کہ جب
بنی اسرائیل نے اپنے لئے معبود بنایا تو وہ بچھڑے
کی شکل پر ہی تھا اور اُن کو اس بچھڑے کی محبت
نے شرک کی حد تک پہنچا دیا۔ قرآن کریم نے
وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ
کے الفاظ میں اس حقیقت پر روشنی ڈالی ہے۔

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر خدا تعالیٰ نے
اُن کو شرک سے باز رکھنے کے لئے حکم دیا کہ اس گائے
کو جس کی عظمت ان کے دلوں میں ہے ذبح کر دو۔ چنانچہ
فرماتا ہے :-

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ
اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا
بَقَرَةً ۖ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا
هُزُوًا ۖ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ
أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ○

یعنی اُس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ
نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں گائے
کے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ انہوں
نے کہا کیا تو ہم کو تمسخر کا نشانہ بناتا ہے؟
موسیٰ نے کہا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں
کہ ایسا فعل کر کے میں جاہلوں میں شامل ہو جاؤں۔

بنی اسرائیل نے یہ حکم سن کر لیت و لعل کرنا
شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ
لَنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ
إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا
بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ
فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ○

انہوں نے کہا ہماری خاطر اپنے
رب سے دُعا کیجئے کہ وہ ہمارے لئے اس
امر کو واضح کر دے کہ وہ گائے کیسی
ہے ؟ اس (موسیٰ) نے کہا کہ وہ فرماتا
ہے کہ وہ ایسی گائے ہے کہ نہ تو بُڑھیا
ہے اور نہ بچھیا بلکہ اس کے درمیان
پوری جوان ہے اسلئے جو حکم تمہیں دیا
جاتا ہے اسے بجا لاؤ۔

اِن آیات اور اس کے سیاق و سباق سے
واضح ہے کہ خدا تعالیٰ ان سے شرک کو دُور کرنا چاہتا
تھا کہ جب قوم گائے کو ذبح کرے گی تو لامحالہ اس کی
الوہیت کا عقیدہ قائم نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلہ میں
بائیبل میں لکھا ہے :-

"اور خداوند نے موسیٰ اور ہارون
سے کہا کہ شرع کے جس آئین کا حکم
خداوند نے دیا ہے وہ یہ ہے کہ تو
بنی اسرائیل سے کہہ کہ وہ تیرے پاس
ایک بے داغ اور بے عیب سُرخ

رنگ کی بچھیا لائیں جس پر کبھی جُوا نہ رکھا گیا ہو۔ اور تم اُسے لیکر البعزر کاہن کو دینا کہ وہ اُسے لشکر گاہ کے باہر لے جائے اور کوئی اسے اُسی کے سامنے ذبح کر دے۔" (گنتی $\frac{19}{1-3}$)

اِس سورۃ کا نام "بقرہ" رکھ کر فرزندانِ اسلام کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ تمہارے سامنے بنی اسرائیل کی مثال موجود ہے تم اپنے اندر رذیل عادات وصفات پیدا نہ کرنا۔ اِس مثال اور واقعہ کے بیان کرنے سے جوہرِ ایمان پیدا کرنا مقصود ہے اور ان عملی وسائل کو بیان کیا گیا ہے جن سے توحید اور جذبۂ اطاعت پیدا ہوتا ہے اور وہ وسائل یہ ہیں :۔

- انفاق فی سبیل اللہ۔ فرمایا کہ اس مالی قربانی کا بدلہ سات سَو گُنا تک ملتا ہے۔
- منافقوں کے فریب کو بیان کرکے انتباہ کیا ہے کہ مسلمان اُن سے بچ کر رہیں۔
- اِس سورۃ کے کئی مقامات پر مطالعۂ کائنات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور ہستی باری تعالےٰ کے دلائل دیئے گئے ہیں۔
- مسلمانوں کو یہود کے شر سے بچانے کے لئے تحویلِ قبلہ کا حکم ہُوا۔ ابتداء میں مسلمانوں کا قبلہ کچھ عرصہ کے لئے بیت المقدس تھا لیکن بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو قبلہ بنانے کا ارشاد فرمایا تا مسلمانانِ عالم کی وحدتِ ملی قائم رہے۔
- اکلِ حلال کا ارشاد فرماتے ہوئے شکر بجالانے کا ارشاد فرمایا۔
- رمضان کے روزوں کے احکام اور اُن کی علتِ غائی بیان کی گئی ہے۔
- وصیت اور حج کے احکام بیان کئے گئے ہیں اور جہاد کی تلقین کی گئی ہے۔
- گھریلو زندگی کے متعلق احکام دیئے گئے ہیں۔
- شراب اور جُوئے کی ممانعت کی گئی ہے۔
- آیۃ الکرسی میں خدا تعالیٰ کی صفات کا ذکر ہے۔ بتایا گیا ہے کہ اس کا اقتدار اعلیٰ ہے اسلئے اس کے احکام کی تعمیل کرنی چاہیئے۔

(۳) سُورَۃ اٰلِ عِمْرَانْ

اِس سورۃ کے مشمولات میں لفظ آلِ عمران بنیادی اہمیت کا حامل ہے اسلئے یہ لفظ اِس سورۃ کا عنوان رکھا گیا ہے۔ حضرت مریمؑ کے والد کا نام تورات میں عمران آیا ہے۔ وہ رشتہ کے لحاظ سے حضرت مسیح علیہ السلام کے نانا تھے اور اِس سورۃ میں اولادِ عمران میں سے حضرت مریم اور حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر ہُوا ہے۔

عیسائی صاحبان حضرت مسیح علیہ السلام کو الوہیت کا درجہ دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو آلِ عمران کا فرد قرار دیکر اس عقیدہ پر کاری ضرب لگائی ہے۔ حضرت مریمؑ کے والد عمران قرابت کے لحاظ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی نسل سے تھے۔

اِس سورۃ میں عیسائیوں کے غلط عقائد کا علمی

اور تحقیقی انداز میں تجزیہ کیا گیا ہے اور ان کا ابطال کیا گیا ہے۔ اہلِ کتاب کی اخلاقی گراوٹ کا ذکر کرکے فرزندانِ اسلام کو توجہ دلائی گئی ہے کہ اہلِ کتاب سے محتاط رہیں اور ان سے تعلقات نہ بڑھائیں اور اہلِ کتاب کو اسلام کی تبلیغ کرتے ہوئے یہ پیغام دیا ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ کہ خدا تعالیٰ کے ہاں سچا اور حقیقی مذہب اسلام ہی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کو اس سورۃ میں یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کے الفاظ میں واضح انداز میں بیان کر دیا گیا ہے۔

مسلمانوں کو اطاعت اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین پُرشوکت الفاظ میں کی گئی ہے۔ فرمایا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔

دفاعی جہاد کی تلقین بار بار کی گئی ہے اور اہلِ کتاب سے مقابلہ کے لئے ہمیشہ تیار رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ غزوہ اُحد اور بدر کے واقعات کا ذکر کرکے بتلایا ہے کہ سچا مسلمان موت سے نہیں ڈرتا اور شہادت دراصل حقیقی زندگی کا نام ہے اور اس سورۃ کے اختتام پر ایک جامع دعا سکھائی گئی ہے۔

اس سورۃ میں قرآن کریم کی حقانیت، اسلام کی صداقت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر روشن دلائل بیان ہوئے ہیں اور اہلِ کتاب پر اتمامِ حجت کی گئی ہے۔

(۴) سُوْرَۃُ النِّسَآءِ

لفظ نساء، مراۃ کی جمع ہے جو خواتین کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس سورۃ میں ازدواجی تعلقات، عورتوں کے حقوق، حقِ وراثت، حقِ مہر، نکاح، طلاق، خلع وغیرہ کے متعلق احکام بیان کئے گئے ہیں۔ مردوں اور عورتوں کو عفت و عصمت کا اعلیٰ نمونہ بننے کی تلقین کی گئی ہے۔ معاشرہ میں جو اخلاقی قباحتیں اور جرائم ازدواجی تعلقات کے سلسلہ میں پیدا ہونے کا امکان تھا ان کا انسداد اور علاج ذکر کیا گیا ہے۔ اس سورۃ کا آغاز ہی صنفِ نازک سے متعلقہ امور سے ہوتا ہے اور عورتوں کو تاکیدی انداز میں یہ تعلیم دی گئی ہے:۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔

لفظ قوّام کے معنے (۱) المتکفل بالامر یعنی فرائض مفوضہ کا ذمہ دار (۲) القوی علی القیام بالامر۔ کام کی سرانجام دہی کے لئے اہلیت اور طاقت رکھنے والا (۳) الامیر یعنی صاحبِ اختیار امیر۔ یعنی مرد کو عورت پر بلحاظ کفیل، نگران اور اہلیت و طاقت کے فضیلت دی گئی ہے۔ یہ خوبی عورتوں کو حاصل نہیں ہے۔ اسلئے باہمی ہر قسم کی مساوات کا شور ڈالنا بالکل غلط ہے

کیونکہ مرد کو عورت پر جو فطرتی خصائص اور قدرت حاصل ہے وہ عورت کو حاصل نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ امورِ خانہ داری سے عورت کا زیادہ تعلق ہوتا ہے۔ اسلام نے عورت کو دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں بہت عزّت و احترام کا مقام دیا ہے مگر اس کے ساتھ ہی اسلام عورت کو اپنے خاوند کی اطاعت اور وفاداری کی بنیادی تعلیم دیتا ہے کہ مرد عورتوں پر نگران ہیں۔ اس کے ساتھ ہی لفظ قوّام مَردوں پر بھاری ذمّہ داری ڈالتا ہے۔ یہ ذمّہ داری اور فضیلت اُسی وقت قابلِ فخر ہے جب مرد اپنی ذمّہ داری کو سمجھیں اور صنفِ نازک کے جذبات کا احترام کریں۔

جو رشتے اسلام میں جائز ہیں اور جو ناجائز ہیں اِس سورۃ میں اُن کا بیان ہے اور زمانۂ جاہلیت کے رواج پر قدغن لگائی گئی ہے۔ اِس سورۃ کو علمی لحاظ سے یہ امتیازی خصوصیت حاصل ہے کہ اس میں ورثہ کی تقسیم کے احکام تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں اور یہ احکام اسلام کے اقتصادی نظام کا اہم ترین حصہ ہیں۔

اس سورۃ میں اخلاقی اقدار کے قیام کے سلسلہ میں تمام وہ امور جو عفّت و عصمت کے قیام میں روک بنتے ہیں ان کے خلاف شدّت سے نفرت کا اظہار کیا گیا ہے جیسے فحاشی، عریانی، بےپردگی اور جنسی بے راہروی۔ عورت و مرد دونوں کو تلقین کی گئی ہے کہ عفت و عصمت کا اچھا نمونہ قائم کریں۔

(۵) سُورَۃ المَائِدَۃ

لفظ مائدۃ کے معنے الخوان علیہ الطعام۔ الطعام ذاتہ۔ غرفۃ الاکل۔ لفظ مائدہ کی جمع موائد و مائدات ہے۔ یعنی دسترخوان جس پر کھانا موجود ہو۔ اسی طرح کھانے اور کھانے کے کمرہ کو بھی مائدہ کہتے ہیں۔ اِس سورۃ کا نام اِس آیت سے لیا گیا ہے:۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى
ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ
رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا
مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ
اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝

جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تیرے رب میں طاقت ہے کہ ہمارے لئے آسمان سے ایک خوان اُتارے؟ مسیح نے کہا کہ اگر تم مومن ہو تو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔"

اِس مائدہ کا ذکر حضرت مسیح علیہ السلام کے پیرووں سے متعلق ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ نصاریٰ شریعت کو خیرباد کہہ کر دنیاوی امور میں لگ گئے ہیں۔ اِس سورۃ میں عمومی ذکر عیسائیت کا ہے۔ عیسائیت کا بنیادی ستون مسئلہ کفارہ ہے جسکے

ذرائع علیائی ہر قسم کی پابندی سے آزاد ہو گئے ہیں۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ دوسری قسم کے معاہدات سے بھی انہوں نے روگردانی کی ہے۔ اسلئے مسلمانوں کو تنبیہہ کی گئی ہے کہ یہود اور نصاریٰ کا عہد و پیمان سے اعراض کرنے کا طریق قابلِ مذمت ہے۔ اس کے بالمقابل فرزندانِ اسلام کو پابندیٔ معاہدات کی تلقین کی ہے کیونکہ جس قوم میں معاہدات کی پابندی نہیں کی جاتی اُس کا اعتماد اُٹھ جاتا ہے اور اس کا وقار خاک میں مل جاتا ہے۔ معاہدات کی پابندی کے ضمن میں تمدنی احکام بھی دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ کھانے پینے کے آداب، حلال و حرام کے درمیان امتیاز کے احکام دیئے گئے ہیں۔ شراب، جوا اور بُتوں کے نام پر کھانے پیش کرنے، قرعہ اندازی کے تیر وغیرہ یہ سب حرام قرار دیئے ہیں۔ قسم کھانے کو ممنوع قرار دیا اور اس کا کفارہ بیان کیا ہے۔ زیادہ سوالات کرنے سے منع کیا۔ حضرت مسیح کا یہ قول اِس سورۃ کے اختتام پر بیان کیا ہے وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ یہ آیت واضح طور پر حیاتِ مسیح کے عقیدہ کو ردّ کرتی ہے اور وفاتِ مسیح کی قطعی دلیل ہے۔

(۶) سُورَةُ الْأَنْعَام

اِس سورۃ میں کئی دفعہ لفظ الانعام کا ذکر ہوا ہے جس کے معنے چارپائے کے ہوتے ہیں۔

اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں عربوں میں کئی مشرکانہ رسوم تھیں اور ان رسوم میں سے بعض رسوم کا تعلق چارپایوں (الانعام) سے بھی تھا۔ سورۃ المائدہ میں عہد کی پابندی کرنے کا حکم تھا (اَوْفُوا بِالْعُقُوْدِ) اور اِس سورۃ میں فرمایا کہ سب سے بڑا عہد توحید ہے۔ توحید کا اثبات، ضرورتِ نبوّت کے دلائل اور شرک کے خلاف مضامین اِس سورۃ میں بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ مشرکانہ رسوم کے زیرِ اثر اُن کے خیالات جو چارپایوں کے متعلق تھے اس کے ضمن میں فرمایا:-

وَقَالُوا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ (۱۳۹)

یعنی وہ محض اپنے گمان سے کہتے ہیں کہ فلاں فلاں جانور اور کھیتی ممنوع ہے۔ انہیں صرف وہی کھا سکتا ہے جس کے متعلق ہم کہیں اور کچھ جانور ایسے ہیں کہ اُن کی پیٹھیں حرام کر دی گئی ہیں اور کچھ جانور ایسے بھی ہیں کہ وہ اُن پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔

(اُن کا یہ طریقہ) خدا پر افترا ہے۔
وہ اُن کو اِس جھوٹ کی وجہ سے ضرور
سزا دے گا۔

اس کے بالمقابل خدا تعالیٰ نے کہا ہے کہ جو چیزیں حرام
ہیں میں تم کو اُن کے متعلق بتلاتا ہوں۔ فرمایا:۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ
رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا
بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا
وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ
إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ
إِيَّاهُمْ ج وَلَا تَقْرَبُوا
الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا
وَمَا بَطَنَ ج وَلَا تَقْتُلُوا
النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ
إِلَّا بِالْحَقِّ ط ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ
بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ (۱۵۲)

تُو کہدے کہ آؤ جو تمہارے ربّ نے
تم پر حرام کیا ہے میں تمہیں پڑھ کر سناؤں
(اس کا حکم ہے) کہ تم اس کے ساتھ کسی
چیز کو شریک نہ کرو اور والدین سے
احسان کرو اور مفلس ہو جانے کے خوف
سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو ہم تمہیں
بھی اور انہیں بھی رزق دیتے ہیں۔
اور بدیوں کے قریب بالکل نہ جاؤ کہ
ان میں سے ظاہر ہے اور نہ پوشیدہ
سکے۔ اور جس نفس کو اللہ نے منع فرمایا
ہے اُسے اجازت کے بغیر قتل نہ کرو۔
اللہ تم کو اس بات کا تاکیدی حکم دیتا
ہے تاکہ تم بدیوں سے رُکو۔"

توحید کے نظریّہ کو انتہائی اعلیٰ انداز میں بیان کرتے
ہوئے فرمایا:۔

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي
وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ
رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

اے رسول! تُو کہدے کہ میری
نماز، میری قربانی، میری زندگی اور
میری موت اللہ ہی کے لئے ہیں جو
تمام جہانوں کا ربّ ہے۔

(۷) سُورۃ الاعراف

اِس سورۃ کا نام اِس آیت سے ماخوذ ہے۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ج وَعَلَى
الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ
كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ج وَنَادَوْا
أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ
عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَ
هُمْ يَطْمَعُونَ ۔ (۴۷)

اور ان دونوں یعنی دوزخیوں
اور جنتیوں میں ایک روک ہوگی اور
جنت کے بلند مقامات پر کچھ لوگ

ہوں گے جو کہ سب کو انکے چہروں کی
نشانیوں سے پہچانتے ہوں گے۔
اور وہ جنتیوں کو دیکھ کر پکاریں گے
اور کہیں گے تم پر سلامتی ہے اور وہ
مخاطب جنتی عملاً ابھی جنت میں داخل
نہ ہوئے ہوں گے لیکن جنت میں
جانے کی توقع رکھتے ہوں گے۔"

الاعراف کا مفرد عُرف ہے۔ ہر بلند جگہ کو عُرف کہتے ہیں۔ بلند زمین کو بھی عُرف کہتے ہیں۔ مرغ کی کلغی کو بھی عُرف الدیک کہتے ہیں۔ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ سے مراد مفسرین نے انبیاء کا گروہ لیا ہے کیونکہ نبوت مردوں سے مخصوص ہے۔ انبیاء کی فراست روحانی میں اس قسم کی قوتِ مدرکہ ہوتی ہے جو اہلِ جنت کو پہچانتی ہے اور اہلِ دوزخ کو بھی۔ ابن عباسؓ کے نزدیک اس سے مراد سردارانِ اہلِ جنت ہیں۔

گزشتہ سورۃ میں توحید پر عمومی بحث کی گئی تھی مگر اس سورۃ میں نبوت کی ضرورت اور افادیت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اسلئے انبیاء کے مقامِ عظیم کو بیان کرنے کے لئے سورۃ کی ابتداء میں اس قسم کے حروف مقطعات رکھے گئے ہیں جو اس جنت کو بیان کرتے ہیں۔

الٓمٓصٓ۔ میں اللہ بہت جاننے والا ہوں وعدہ کا سچا ہوں۔ رسالت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ وہ رسالت کا منصب کس کو عنایت کرے اور یہ خدا تعالیٰ کا ہدیہ ہے۔ اس ضمن میں خدا تعالیٰ نے نزولِ قرآن کی بنیادی غرض یوں بتلائی ہے کہ وہ

ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ

مومنوں کے لئے ایسی کارگر نصیحت ہے جس کا اعادہ بار بار ہونا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ نے اس سورۃ کی ابتداء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ آپ کو مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑیگا مگر انجامکار کامیابی تمہارے لئے ہی مقدر ہے۔ ضرورتِ نبوت کے سلسلہ میں فرمایا :-

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ
رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ
اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ
فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ ○

کہ اے فرزندانِ آدم! تمہارے
پاس جب بھی رسول آئیں اور میری
آیات تمہیں سنائیں تو جو شخص تقویٰ
اختیار کریں گے اور صلاحیت اختیار
کریں گے ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور
نہ وہ غمگین ہوں گے۔

نبی کی قبولیت سے ہر قسم کا خوف و حزن جاتا رہتا ہے اور اس کا انکار انسان کو اہلِ دوزخ سے بنا دیتا ہے۔ اس سورۃ میں خدا تعالیٰ نے نبوت کی ضرورت

کے ضمن میں اس کے ماننے والوں اور منکرین کے درمیان موازنہ کیا ہے اور جنت و دوزخ کی ماہیت بیان کی ہے۔ مختلف اقوام اور انبیاء کے حالات بیان کئے ہیں۔ چنانچہ حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت صالح، حضرت شعیب، حضرت موسیٰ علیہم السلام اور ان کے مخالفین کے حالات بیان کئے گئے ہیں اور عظیم تحدی کرتے ہوئے فرمایا کہ مشرکین اور ان کے مصنوعی خداؤں کی مخالفت کی کچھ حقیقت نہیں ہے اور مسلمانوں کو قرآن پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے اور فرمایا ہے کہ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

(۸) سُورَۃ الانفال

اس سورۃ کا آغاز لفظ انفال سے ہوتا ہے۔ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ۔ اے رسول تجھ سے لوگ مال غنیمت کے متعلق پوچھتے ہیں۔ اس سورۃ میں منجملہ اور مضامین کے بنیادی مضمون مال غنیمت کی تقسیم کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ اسلامی اصطلاح میں انفال کے مندرجہ ذیل معانی ہیں:۔

۱۔ دشمن سے فتح کے بعد جو مال حاصل ہوتا ہے جس کو مال غنیمت بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ غنیمت کا ۱/۵ حصہ خمس۔

۳۔ فئے۔ وہ اموال جو دشمن سے بغیر جنگ اور کوشش سے حاصل ہوں۔

۴۔ مال غنیمت کی عام تقسیم کے بعد جو اموال بچ جائیں۔

۵۔ وہ انعام یا صلہ جو کسی غازی جنگجو کو میدان جنگ میں اعزازی کام پر دیا جائے۔

انفال کے ضمن میں اس سورۃ کا اہم ترین موضوع غزوہ بدر ہے جو اپنی جگہ پر نہ صرف ایمان افروز ہے بلکہ اس میں فرزندان اسلام کو یہ سبق دینا بھی مقصود ہے کہ اقلیت اکثریت پر غالب آسکتی ہے بشرطیکہ اس میں نیک جذبہ کارفرما ہو اور اس کا کردار اطاعت و فدائیت کا حامل ہو۔

اس سورۃ میں انفال کے ذکر میں یہ بھی مضمون بیان ہوا ہے کہ اسلام کی غرض جنگ نہیں ہے لیکن اگر اضطراری حالات میں جنگ سے واسطہ پڑ جائے تو جنگ میں جو مال دشمن کا مل جائے وہ جائز ہے اور اس کی تقسیم سے متعلق احکام بتلائے گئے ہیں۔ اس سورۃ کی ابتدا اس آیت سے ہوئی ہے:۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۖ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

غنائم کی تقسیم میں بھی خدا اور اس کے رسول کی اطاعت

کولازمی قرار دیا ہے کیونکہ اصل مقصد اموال اور غنائم نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔ اسلام میں دفاعی جنگ کی غرض بھی رضاءِ الٰہی ہے اسلئے اس کے نتیجہ میں اگر اموال اور غنائم پر قبضہ ہو جائے تو اس کی تقسیم میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔

(۹) سُورَۃُ التَّوبَة

اس سورۃ کا نام التوبۃ ذیل کی آیت سے لیا گیا ہے:-

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

اس آیت میں غزوۂ تبوک کا ذکر ہے جس میں انتہائی مشکلات کا سامنا مسلمانوں کو کرنا پڑا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آواز پر غزوۂ تبوک میں تیس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی۔ اس وقت فصلوں کے پکنے کا موسم تھا۔ مسلمانوں نے اپنے کام چھوڑ کر سخت گرمی کے موسم میں ایک طویل انتہائی مشقت والا سفر کرکے غزوۂ تبوک میں شرکت کی۔ مہاجرین اور انصار نے جن کا اس آیت کریمہ میں ذکر ہے انتہائی اخلاص اور جوانمردی کا مظاہرہ کیا اور باہمی تعاون کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ خدا تعالیٰ نے خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ کہ ان پر اللہ تعالیٰ رجوع برحمت ہوا۔

اس سورۃ کے آغاز میں بَرَاۗءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کے الفاظ ہیں۔ جن مشرکین اور کفار نے مسلمانوں کے ساتھ عہد و پیمان میں عہد شکنی کی تھی اُن کے متعلق بیزاری کا اظہار ہے۔ پھر اس سورۃ میں کمزور مسلمانوں کا بھی بار بار ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے غزوۂ تبوک میں شمولیت نہ کی اور ان تینؓ اشخاص کا بغیر نام کے ذکر کیا گیا ہے جو اس جنگ سے پیچھے رہ گئے اور آنحضرتؐ نے ان سے مقاطعہ کا ارشاد فرمایا تھا۔

اس سورۃ میں پُرشوکت انداز میں مسلمانوں کو کفار اور مشرکین کی شرارتوں سے آگاہ کیا گیا ہے اور اُن کے انجام یعنی ناکامی کا ذکر کیا ہے۔ مسلمانوں کو مالی و جانی اور ہر قسم کی قربانی کی تلقین کی گئی ہے اور غلبۂ اسلام کی خوشکن خبر دی گئی ہے اور پیشگوئی فرمائی ہے کہ آئندہ سے مشرکین خانہ کعبہ کے پاس نہ آنے پائیں گے۔ یہ پیشگوئی آج تک پوری ہو رہی ہے۔ منافقین کے عبرتناک انجام کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کو زجر و توبیخ کی ہے تا مومن اُن کے فتنہ اور شر سے محفوظ رہیں اور اُن سے تعلقات محبت استوار نہ کریں۔ سورۃ کے اختتام میں آنحضرتؐ مقامِ عالی کا ذکر کرکے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ

رسول تمہارا حقیقی خیر خواہ ہے بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

کاش! مسلمان اس نقطہ مرکزیہ کو سمجھ لیں کہ آنحضرتؐ کی اقتداء فرزندانِ اسلام کی ترقی کی ضامن ہے۔

(۱۰) سُورَۃ یُونس

اس سورۃ کا نام اس آیت سے لیا گیا ہے:۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَاۤ اِيْمَانُهَاۤ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝ (۹۸)

اس سورۃ میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ جن اقوام نے انبیاء اور رسل کا مقابلہ کیا اور ان سے استہزاء اور تمسخر سے پیش آئیں وہ بالآخر تباہ و برباد ہوئیں سوائے یونس نبی کی قوم کے کہ انہوں نے عذاب کے آثار دیکھ کر ایمان کو اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے حصہ پایا۔

اس سورۃ کا مضمون حضرت یونسؑ کے اس تاریخی واقعہ پر مبنی ہے۔ اس سورۃ میں یہ پیشگوئی بھی کی گئی ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ منکرین بھی قرآنی کمالات کا اعتراف کریں گے اور اس پر ایمان لائینگے۔ چنانچہ حضرت یونسؑ کی قوم کی مانند سارا علاقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آگیا اور آپؐ کو تسلی دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپؐ کے مخالفین بھی رجوع کریں گے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرینگے۔

اس سورۃ کے اختتام پر فرمایا:۔

وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ

یعنی خدا تعالیٰ کا فیصلہ تیرے متعلق بہت ہی اچھا ہوگا اور دشمنوں کے لئے ناکامی مقدر ہے۔

(۱۱) سُورَۃ ھُود

حضرت ہُود علیہ السلام قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ قوم عاد عرب کے جنوب مشرقی علاقہ میں خلیج فارس کے ساحل پر آباد تھی۔ یہ لوگ پہاڑوں کے بلند مقامات پر یادگاریں قائم کیا کرتے تھے۔ ان کا ایک قبیلہ اِرَم بھی تھا ان کی وسیع اور طاقتور حکومت تھی۔ ان کا ایک مقام احقاف بھی تھا جس کا ذکر سورۃ الاحقاف میں آتا ہے۔ خدا تعالےٰ نے اس سورۃ میں منجملہ اور انبیاء کے حضرت ہود علیہ السلام کا بھی ذکر کیا ہے۔ فرمایا:۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝ (۵۱)

اور عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہُود کو رسول بنا کر بھیجا اس نے کہا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت

کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود
نہیں۔ تم تو (شرک کر کے) محض
افترا کرنے والے ہو۔

مگر افسوس کہ قوم عاد نے اس پیغمبر خدا کا انکار کیا:۔

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ
رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَ
اتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ
عَنِيْدٍ ○ (۶۰)

اور یہ قوم عاد تھی جنہوں نے
اپنے رب کے نشانات کا انکار کیا
اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی
اور ہر ایک سرکش دشمن کے حکم
کی پیروی کی"

اس تکذیب کے نتیجہ میں ہوا کا تیز طوفان بلا وقفہ ایک ہفتہ تک چلتا رہا اور قوم زیر زمین مدفون ہو گئی۔ اس آندھی کی وجہ سے ان کا شہر ریت کے ٹیلوں اور تودوں میں تبدیل ہو گیا۔

حضرت ہودؑ کو تاریخی لحاظ سے یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپ پہلے نبی ہیں جو عرب میں مبعوث ہوئے۔

اس سورۃ میں طالبان حق کے لئے عملی سبق ہیں۔ حضرت نوح، حضرت صالح، حضرت ابراہیم حضرت لوط، حضرت شعیب اور حضرت ہود علیہم السلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ نیز حضرت موسیٰؑ کے ۹ نشانات کا ذکر کیا گیا ہے اور قرآنی اعجاز کے سلسلہ میں پُر شوکت الفاظ میں چیلنج کیا گیا ہے۔

(۱۲) سُوْرَۃ یُوْسُف

سورہ یوسف کے نزول کے متعلق اس رائے کا اظہار کیا گیا ہے کہ یہود نے ازراہ شرارت اور بدنیتی کفار مکہ کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ بانی اسلامؐ کی تاریخی معلومات سے واقفیت کا امتحان لیں۔ آپ سے یہ سوال کیا جائے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد شام سے مصر کیسے پہنچ گئی اور واقعہ یوسفؑ کی تفصیل کیا ہے؟

ان ہر دو سوالوں کا مقصد حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ شرمندہ کرنا تھا۔ خدا تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سوال کے متعلق روشنی ڈالنے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ جملہ کوائف و تفصیلات کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرما کر آپؐ کی صداقت اور حقانیت کو بطور نشان کے پیش فرمایا ہے۔ کفار مکہ اور یہود پر اتمام حجت فرمائی۔ چنانچہ اس قصۂ یوسفؑ کے متعلق قرآن کریم بیان کرتا ہے:۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ
اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ○

یوسف اور اس کے بھائیوں کے واقعات
میں طالبان حق کے لئے یقیناً کئی نشانات ہیں۔

سورہ یوسف کو اپنے مندرجات کے لحاظ سے یہ امتیازی حیثیت حاصل ہے کہ اس سورۃ میں ایک ہی قصہ کامل مذکور ہے۔

اس سورۃ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں جو اہم اور تاریخی سانحہ پیش آیا قرآن کریم نے اسے احسن القصص یعنی عمدہ ترین بیان کے انداز سے ذکر کیا ہے کیونکہ یہ ایمان افروز اور محیّر العقول واقعہ اپنے پس منظر اور پیش منظر میں کئی تاریخی حقائق اور شواہد رکھتا ہے۔ اس محیّر العقول قصہ کے ہر مرحلہ اور موڑ میں ہستی باری تعالیٰ کا محکم اور زندہ ثبوت ہے، نصرتِ خداوندی کا اظہار ہے، بلندیٔ اخلاق اور تعلق باللہ کا نمونہ ہے۔ استقامت، صبر اور عفو کی تصویر ناطق ہے۔ حسد، بغض اور رقابت کا انجام ناکامی ہے۔ ظلم کا بدلہ قدرت لیتی ہے۔ اس واقعہ میں عفت اور ضبطِ نفس کا عدیم المثال موقف ہے۔ تبلیغِ توحید سے والہانہ عشق ہے۔ اس سورۃ کا آغاز حضرت یوسف علیہ السلام کے ایک رؤیا سے شروع ہوتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ آپ کو گیارہ ستارے سورج اور چاند سجدہ کر رہے ہیں۔

اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ میں اس قصہ کی غرض کو بیان کیا گیا ہے کہ ہم تیرے سامنے ایک نبی یوسفؑ کے احوال پیش کر کے بطور پیشگوئی یہ امر بیان کر رہے ہیں اور آئندہ تجھ کو بھی اس قسم کے حالات اور ایسی آزمائشوں سے گزرنا پڑے گا اور تیرے مخالفین کا انجام بھی ویسا ہی ہوگا جیسا کہ حضرت یوسفؑ کے بدخواہوں کا ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقعہ پر جملہ معاندین کو لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اِذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ فرما کر اپنے کامل عفو و درگزر کی بے نظیر مثال قائم فرمائی ہے۔

(۱۳) سُوْرَۃُ الرَّعْد

رعد کے معنے، صوت السحاب، بادل کی آواز یعنی گرج کے ہیں۔ قرآن شریف میں وحی ربانی کو کئی مقامات پر بارش سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ اس سورۃ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ خدائی وحی عظیم برکات اور خوشکن نتائج کی حامل ہوتی ہے اور مومنوں کی حقیقی زندگی اسی وحی پر عمل کرنے سے وابستہ ہوتی ہے۔ بارش سے بنجر اور خشک زمین میں زندگی کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں اور کھیت لہلہاتے ہیں اور عجیب اور جاذبِ نظر منظر پیش کرتے ہیں۔ بارش میں گرج اور کڑک کا ہونا بھی لازمی امر ہوتا ہے جس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ معاندین حق کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس کی اشاعت میں روک بنتے ہیں۔ حق و باطل کے درمیان جنگ ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں حق ہمیشہ کامیاب ہوا کرتا ہے۔ اس لفظ رعد میں یہ بتلایا گیا ہے کہ بجلی، گرج اور چمک ظاہری رنگ میں تباہی کی علامات ہیں مگر درحقیقت اس میں بہت سے فوائد پنہاں ہیں۔ اس سے کئی بیماریاں زائل ہوتی اور زہریلے کیڑے وغیرہ مر جاتے ہیں۔

کفار اپنے ظاہری جاہ و جلال اور شان و شوکت کو نہ دیکھیں اور اس پر نہ اترائیں۔ لفظ رعد میں دلائلِ قدرت دیکر معاندین کو ملزم ثابت کیا ہے۔

فرمایا :-

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ
وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ج
وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ
بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ
يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ج وَهُوَ
شَدِيْدُ الْمِحَالِ ○ (۱۴)

اور گرج اللہ کی تعریف کے ساتھ
اس کی پاکیزگی کا اظہار بھی کرتی ہے
اور فرشتے بھی اس کے خوف کے
سبب سے۔ وہ گرنے والی بجلیاں بھی
بھیجتا ہے پھر جن پر چاہتا ہے انہیں
گراتا ہے اور وہ خدا کے بارہ میں
جھگڑ رہے ہیں حالانکہ وہ سخت عذاب
دینے والا ہے۔

اور فرمایا کہ لیل و نہار میں تمام کائنات خدا تعالیٰ کے
حضور سجدہ ریز ہے۔ فرمایا :-

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا
وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ
وَالْاٰصَالِ ○ (۱۶)

اور جو اشخاص یا اشیاء زمین
میں یا آسمان میں ہیں اور اُن کے
سائے بھی خوشی سے یا کراہت سے
صبح و شام اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں۔

اسلئے تم کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تمہاری
زبانیں ہمیشہ تر رہیں کیونکہ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ
الْقُلُوْبُ۔ اور اس سورۃ میں لفظ رعد کی
مناسبت سے یہ بتایا گیا ہے کہ حق و باطل کے
درمیان مقابلہ ہوگا اور بالآخر کامیابی حق کو ہی
ہوگی۔ پہلے رسولوں کے ساتھ بھی استہزاء اور تمسخر
ہوتا رہا ہے۔ اے محمدؐ! تیرے ساتھ بھی ایسا ضرور
ہوگا مگر انجام کار کامیابی تجھے ہی حاصل ہوگی :-

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ
مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ
لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ
فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ○ (۳۳)

تجھ سے پہلے رسولوں سے بھی
استہزاء کیا گیا جس پر میں نے ان
لوگوں کو جنہوں نے انکار کیا تھا
مہلت دی پھر میں نے ان کو تباہ
کر دیا۔ اب دیکھو میری سزا کیسی
سخت تھی۔

(۱۴) سُوْرَةُ اِبْرَاهِيْم

اس سورۃ کے مضامین میں سے ایک مضمون
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ دعا ہے جو آپ نے
مکہ معظمہ کے متعلق خدا تعالیٰ کے حضور کی۔ اس دعا
کے الفاظ یہ ہیں :-

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ

هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ
وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ○

"جب ابراہیمؑ نے کہا تھا کہ اے میرے
رب! اس شہر مکہ کو امن والی جگہ بنا
اور مجھے اور میرے بیٹوں کو اس بات
سے دُور رکھ کہ ہم معبودانِ باطلہ کی
پرستش کریں۔"

حضرت ابراہیمؑ نے اس دعا کی وجہ یہ بیان کی:۔

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا
مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ
فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ
فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (۳۶)

"اے میرے رب! ان بتوں نے
یقیناً بہت سے لوگوں کو گمراہ
کر رکھا ہے۔ پس جس نے میری
پیروی کی وہ تو مجھ سے تعلق رکھتا
ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو
تو بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

پھر دعا کرتے ہوئے خدا کے حضور یوں عرض کرتے ہیں:۔

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ
ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ
عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا
لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ
اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ
اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ
الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ○ (۳۷)

پھر خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ
کہتے ہیں:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ
لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَ
اِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ
الدُّعَاۗءِ ○ (۳۹)

حضرت ابراہیمؑ بالآخر کامیاب ہوئے۔ اُن کی
سخت مخالفت ہوئی اور اُن کو ختم کرنے کا منصوبہ
ناکام ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ کا وادیٔ غیر ذی زرع
میں آکر آباد ہونا اور یہ دعا کرنا در اصل القاءِ ربانی
سے تھا اور اسی شاخ سے توحیدِ عظیم کا وہ چشمہ پھوٹا
جو رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ثابت ہوا۔

(۱۵) سُوْرَةُ الْحِجْرِ

اس سورۃ کا نام قرآن کریم کی اس آیت
سے لیا گیا ہے:۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ
الْمُرْسَلِيْنَ ○

"یقیناً قوم حجر نے پیغمبروں کو
جھٹلایا تھا۔"

وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا
عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ○

"اور ہم نے اُن کو اپنے نشانات
سے نوازا تھا لیکن انہوں نے

ان نشانات سے اعراض کیا۔
وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ
بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ○
اور وہ پہاڑوں کو تراش کر
امن کے ساتھ مکان بناتے تھے۔
فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ
مُصْبِحِيْنَ ○
صبح ہوتے ہی ان کو عذاب
نے پکڑ لیا۔
فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ○
اور ان کی کارروائیوں اور
ان کے اموال نے اُن کو کچھ
فائدہ نہ دیا۔"

جغرافیائی لحاظ سے حجر اس علاقہ اور وادی کا نام ہے جو شمالی عرب اور ملک شام کے درمیان واقع ہے۔ حجاز سے ملک شام کو ہمیشہ سامانِ تجارت کے قافلے چلتے رہتے تھے۔ یہ علاقہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کا مسکن تھا۔ اس قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کو بہت تنگ کیا، آپ کی تکذیب کی گئی اور آپ کے خلاف ہر قسم کے منصوبے اور سازشیں کی گئیں جس کے بعد اُن لوگوں کی املاک اور اموال اور تجارتیں زلزلہ کی وجہ کی تباہ ہو گئیں۔

اس سورۃ میں یہ واقعہ بیان کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا گیا ہے کہ گزشتہ انبیاء سے بھی استہزاء ہوتے رہے۔ جو لوگ انبیاء کو قبول کرتے ہیں وہ ترقی پاتے ہیں اور جو قبول نہیں کرتے وہ سزا پاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ۔ ہم تیری استہزاء کرنے والوں کے بالمقابل حفاظت کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر استہزاء کرنے والے پانچ زعماء قریش تھے۔ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن مغیرہ، اسود بن المطلب اور حرث بن طلاطلہ۔ یہ پانچوں ہلاک ہوئے اور ان کی موت عبرتناک موت تھی۔

اس سورۃ میں اصحاب الحجر کے ذکر کے ساتھ حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یہ تینوں قومیں قریش کے تجارتی راستہ پر آباد تھیں۔ ان تینوں اقوام کا ذکر معاندین اسلام کے سامنے کیا گیا ہے کہ تم بھی اگر آنحضرتؐ کی مخالفت کروگے تو تمہارا بھی انجام ایسا ہی ہوگا۔ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو فرمایا ہے کہ ان قوموں کے تباہ شدہ مقامات کے پاس سے اگر وہ گزریں تو دردمند دل کے ساتھ گزریں۔

(۱۶) سُوْرَةُ النَّحْل

لفظ نحل کے معنے شہد کی مکھی کے ہیں۔ جو مختلف پھولوں پر بیٹھ کر اُن کی خوشبو اور

حلاوت حاصل کر کے ایک نہایت اعلیٰ جوہر تیار کرتی ہے جس کو شہد کہتے ہیں۔ اطباء کے نزدیک شہد بیماریوں سے بچنے کے لئے اعلیٰ درجہ کا تریاق ہے۔ یہ شفاء الامراض بھی ہے اور اسکی حلاوت ایک خاص جاذبیت اور لذت رکھتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے اِس سورۃ میں شہد کی مکھی کا ذکر یوں کیا ہے:-

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ○ (۶۹)

اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی کہ تو پہاڑوں میں اور درختوں میں اور (انگوروں وغیرہ کے لئے) لوگ جو ٹٹیاں بنا لیتے ہیں ان میں اپنا گھر بنا۔"

شہد کی مکھی اور اس شہد کے ذکر سے مقصد یہ ہے کہ وحی ربانی کی مثال شہد کی مانند ہے۔ یہ بھی شفَاءٌ لِلنَّاس ہے اور روحانی بیماریوں اور مشکلات کا مداوا اس وحی میں ہے اور وہ وحی یہ قرآن کریم ہے اسلئے قرآنی علوم کو حاصل کرنے اور ان سے استفادہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تمہارے نفس کا شیطان اور ماحول کی خرابی اس میں روک نہ ہو۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○

اے مخاطب! جب تو قرآن پڑھنے لگے تو دھتکارے ہوئے شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے اللہ کی پناہ مانگ لیا کر۔"

پھر قرآن کریم کی فضیلت بیان کرتے ہوا اور اسکے روحانی فوائد کا ذکر کرتے ہوئے معاندین اسلام پر بطور حجت قاطعہ کے فرمایا:-

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ○ (۱۰۳)

اے رسول! تو معترض سے کہدے کہ روح القدس نے اسے تیرے رب کی طرف سے حق و حکمت کے ساتھ اُتارا ہے تاکہ جو لوگ ایمان لائے ہیں انہیں وہ ایمان پر ہمیشہ کے لئے قائم کر دے اور نیز اس نے فرمانبرداری کی رہنمائی کے لئے اور انہیں بشارت دینے کے لئے اسے اُتارا ہے۔"

چنانچہ اِس سورۃ النحل کے آغاز میں خدا تعالے پُر شوکت انداز بیان میں فرماتا ہے:-

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ

ان نشانات سے اعراض کیا۔
وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ
بُيُوتًا آمِنِينَ ○
اور وہ پہاڑوں کو تراش کر
امن کے ساتھ مکان بناتے تھے۔
فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ
مُصْبِحِينَ ○
صبح ہوتے ہی ان کو عذاب
نے پکڑ لیا۔
فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا
يَكْسِبُونَ ○
اور ان کی کارروائیوں اور
ان کے اموال نے اُن کو کچھ
فائدہ نہ دیا۔"

جغرافیائی لحاظ سے حجر اس علاقہ اور وادی کا نام ہے جو شمالی عرب اور ملک شام کے درمیان واقع ہے۔ حجاز سے ملک شام کو ہمیشہ سامانِ تجارت کے قافلے چلتے رہتے تھے۔ یہ علاقہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کا مسکن تھا۔ اس قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کو بہت تنگ کیا، آپ کی تکذیب کی گئی اور آپ کے خلاف ہر قسم کے منصوبے اور سازشیں کی گئیں جس کے بعد اُن لوگوں کی املاک اور اموال اور تجارتیں زلزلہ کی وجہ کی تباہ ہو گئیں۔

اس سورۃ میں یہ واقعہ بیان کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا گیا ہے کہ گزشتہ انبیاء سے بھی استہزاء ہوتے رہے۔ جو لوگ انبیاء کو قبول کرتے ہیں وہ ترقی پاتے ہیں اور جو قبول نہیں کرتے وہ سزا پاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ۔ ہم تیری استہزاء کرنے والوں کے بالمقابل حفاظت کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر استہزاء کرنے والے پانچ زعمائے قریش تھے۔ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن مغیرہ، اسود بن المطلب اور حرث بن طلاطلہ۔ یہ پانچوں ہلاک ہوئے اور ان کی موت عبرتناک موت تھی۔

اس سورۃ میں اصحاب الحجر کے ذکر کے ساتھ حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یہ تینوں قومیں قریش کے تجارتی راستہ پر آباد تھیں۔ ان تینوں اقوام کا ذکر معاندین اسلام کے سامنے کیا گیا ہے کہ تم بھی اگر آنحضرتؐ کی مخالفت کروگے تو تمہارا بھی انجام ایسا ہی ہوگا۔ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو فرمایا ہے کہ ان قوموں کے تباہ شدہ مقامات کے پاس سے اگر وہ گزریں تو دردمندی کے ساتھ گزریں۔

(۱۶) سُورَةُ النَّحْل

لفظ نحل کے معنے شہد کی مکھی کے ہیں۔ جو مختلف پھولوں پر بیٹھ کر اُن کی خوشبو اور

سُبْحٰنَهٗ وَ تَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

اس میں یہ تصریح ہے کہ اب خدا تعالیٰ کی توحید اور حکومت قائم ہوگی اسلئے صداقتِ اسلام اور قرآن کی تکذیب کرنے میں جلدی نہ کرو۔ اور اس کے بعد فرمایا۔ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ۔ اس جگہ رُوح سے مراد وحی الٰہی ہے اور یہ خدا تعالےٰ کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے اس سے نوازتا ہے۔

(۱۷) سُورۃ بنی اسرائیل

اس سورۃ میں اُن اہم واقعات کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل کو پیش آئے تھے یا اسلام کی تکذیب اور آنحضرتؐ کی رسالت سے انکار کی وجہ سے پیش آنے والے تھے۔ اس سورۃ کے آغاز میں معراج رسولؐ کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ
لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ
بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ
اٰيٰتِنَا ۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ
الْبَصِيْرُ ۝

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دی ہے کہ فلسطین کا علاقہ مسلمانوں کے ہاتھ میں آئے گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں ان علاقوں کو اسلامی لشکر نے فتح کیا اور حضرت خلیفۂ ثانی عمر فاروق بنفسِ نفیس تشریف لے گئے۔

معراج کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اور نبیوں سے اونچا ہے اور مسلمانوں کو عروج حاصل ہوگا اور ان کو فتوحات حاصل ہوں گی۔

اس سورۃ میں بنی اسرائیل کی مناسبت سے قرآن کریم کے فضائل اور کمالات کا توراۃ کے ساتھ موازنہ کیا گیا ہے اور عظمتِ قرآنی کو پیش کیا گیا ہے۔ قرآنی تعلیم کے مکمل ہونے کا اور اس کے محاسن کا اظہار کیا گیا ہے اور بتلایا ہے کہ قرآنی وحی دنیا میں ہمیشہ رہے گی اور امن عالم کا باعث ہوگی۔ اس ضمن میں مسلمانوں کے نفوس کی اصلاح و تزکیہ کیلئے بنیادی اصول بیان فرمائے ہیں۔ ان کے بیان کرنے کا مقصد دراصل شریعتِ موسوی اور شریعتِ محمدی کے درمیان موازنہ کرنا ہے۔ پانچ نمازوں کی فرضیت اور ان کی فلاسفی کو یہاں نہایت اعلیٰ اور دلکش پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ تاریخ بنی اسرائیل کے واقعات کو دہرا کر مسلمانوں کو اس امر سے آگاہ کیا گیا ہے کہ تم ان امور سے بچے رہو ورنہ تمہارا حشر بھی کوئی اچھا نہ ہوگا۔

سورہ بنی اسرائیل کی مناسبت سے اس میں یہ مضمون بھی بیان کیا گیا ہے کہ تمام انبیاء سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات زیادہ ہیں اور آپؐ مقامِ محمود پر فائز کئے گئے ہیں۔ بنی اسرائیل سے مراد حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے ان کی چار بیویوں سے تھے۔ چار بیویوں کے نام یہ ہیں:۔ (۱) لیاہ،

(۲) راخیلؔ (۳) زلفہؔ (۴) بلہاہ - اور ان کی اولاد کی تفصیل یہ ہے :-

لیاہ کے بطن سے (۱) روبن (۲) شمعون -
(۳) لاوی (۴) یہوداہ (۵) اشکار (۶) زبلون
اس کے علاوہ ایک لڑکی دینہ تھی۔
زلفہ کے بطن سے (۷) جد (۸) آشر -
راخیل کے بطن سے (۹) یوسف (۱۰) بنیامین
بلہاہ کے بطن سے (۱۱) دان (۱۲) نفتالی
(تورات - کتاب پیدائش)

(۱۸) سُورَۃ الکہف

لفظ کھف کی جمع کھوف آتی ہے۔ اس کے معنے ہیں: البیت المنقور فی الجبل فاذا صَغُرَ فھو الغار یعنی کہف اُس گھر کو کہتے ہیں جو پہاڑ کو تراش کر اس کے اندر بنایا جائے - لیکن اگر وہ چھوٹا ہو تو اُسے غار کہتے ہیں۔ کہف کے معنے الملجأ (جائے پناہ) بھی ہوتے ہیں۔

سورۂ بنی اسرائیل اور کہف کا گہرا ربط ہے - اُس سورۃ میں بتلایا گیا کہ خدا کا کوئی بیٹا نہیں ہے اور اس سورۃ کہف کا ابتدائیہ اس مضمون سے شروع ہوتا ہے کہ وہ قوم جو خدا کا بیٹا قرار دے اس کی تباہی و بربادی مقدر ہے - لفظ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ میں بتلایا گیا ہے کہ یہ عقیدہ انتہائی غلط ہے، یہ جھوٹ پر مبنی ہے۔

اصحاب الکہف کے متعلق بہت کچھ تحریر کیا گیا ہے مگر یہاں تو وجہ تسمیہ مقصود ہے - اصحاب الکہف نیک لوگ اور موحد تھے، الوہیت مسیح کے منکر تھے اور وہ ابتدائی زمانہ کے رومی مسیحی تھے۔ ان پر اس عقیدہ کی وجہ سے انتہائی ظلم ہوتا رہا - ان میں شرک بالکل نہیں تھا اور یہ لوگ مظالم کی وجہ سے زمین دوز تہہ خانوں میں رہتے تھے۔ ان کا مقام ملک اٹلی بیان کیا جاتا ہے اور روم کے شہر میں وہ (Catacombus) زمین دوز تہہ خانے اب بھی موجود ہیں - ایک بادشاہ ایسین جو الوہیت مسیح کا عقیدہ رکھتا تھا، کے زمانہ حکومت میں اُن پر مظالم بڑھ گئے مگر گالیس کے زمانہ میں اُن کو معافی دیدی گئی۔ قسطنطین کے زمانہ میں ان پر مظالم کو قانوناً روک دیا گیا۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ پھر بھی ان پر مظالم کلیۃً بند نہیں ہوئے تھے لیکن ظلم کی ایک حد ہوتی ہے۔ تھیوڈیس کے زمانہ میں ان کو آزادی اور ترقی حاصل ہوئی۔ خدا تعالیٰ نے اس قوم کی ایک علامت یوں بتلائی ہے :-

وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ
وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ
بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۚ
لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ
مِنْهُمْ فِرَارًا وَلَمُلِئْتَ
مِنْهُمْ رُعْبًا ۝

ہم ان کو دائیں اور بائیں طرف
پھرائیں گے اور ان کا کتا صحن میں
ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوگا۔ اگر تو
ان کے حالات سے آگاہ ہو جائے
ان سے بھاگنے کے لئے پیٹھ پھیرلے
اور ان کی وجہ سے رعب بھر جائے"

اس میں اصحاب الکہف کی پوزیشن نزولِ قرآن کے وقت بتلائی گئی ہے اور بطور پیشگوئی کے کہا گیا ہے کہ وہ دنیا کے ہر طرف پھیل جائیں گے۔

نقشہ میں برطانوی حکومت کے علاقہ کی شکل بالکل کتے کی طرح ہے جو گویا بحیرہ ماں ہورہ کے دونوں جانب یورپ کی حفاظت کر رہا ہے۔ آیت کا یہ بھی مفہوم ہوسکتا ہے کہ یہ قوم کتوں سے محبت کرنے والی ہوگی۔ اس قوم کو کتوں سے اتنی شدید محبت ہے کہ ان کے دروازوں پر ہر وقت کتا موجود ہوتا ہے۔ ان کے لٹریچر میں کتوں پر کئی کتب تحریر ہیں۔ ان کی خوراک، رہائش اور لباس کے لئے خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان کے کتے وہ اعلیٰ خوراک کھاتے ہیں جو بعض ابنائے آدم کو بھی حاصل نہیں ہے۔

اس سورۃ میں عیسائیت کی تردید کی گئی ہے اور عیسائی اقوام کے مکر و فریب بیان کرکے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے۔ فتنۂ دجال، فتنۂ یاجوج و ماجوج کا اظہار کیا گیا ہے اور عیسائی اقوام جو اسلام کی مخالفت کر رہی ہیں اس کی اطلاع پہلے سے دی گئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو سورۂ کہف کی آخری دس آیات پڑھتا ہے وہ فتنۂ دجال سے محفوظ رہتا ہے۔ سیدنا حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اس سورۃ کی خاص دلکش اور نہایت ایمان افروز تفسیر تحریر فرمائی ہے جو قابلِ دید ہے۔

(۱۹) سُوْرَۃُ الْمَرْیَم

اس سورۃ میں ایک عظیم واقعہ مذکور ہے اور اس واقعہ کے ماحول میں تمام امور جن کا تعلق حضرت مریم اور حضرت مسیح علیہ السلام سے ہے وہ اس کے دائرہ میں آتے ہیں۔ اس سورۃ میں حضرت مریمؑ کا مقامِ عظیم اور ان کی پاکیزگی و عصمت بیان کرکے مریٰ صفات سے حامل وجودوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سورۃ میں فرزندانِ اسلام کو انتباہ کیا گیا ہے کہ عیسائیت کے عقائد کا ابطال کرنا مسلمانوں کے لئے بہت ضروری ہے۔ آخری زمانہ میں عیسائیوں سے تمہاری ٹکر ہوگی اسلئے ان کے عقائد پر ضرب کاری لگانے کے لئے تم کو ردِ عیسائیت کی تعلیم حاصل کرنی ہوگی۔

اس سورۃ کے آغاز میں کٓھٰیٰعٓصٓ میں خدائی صفات کا اظہار کر کے بیان کیا گیا ہے کہ کیا یہ صفات حضرت مسیح علیہ السلام میں ہیں جن کی خدائی کا ڈھول پیٹا جا رہا ہے اور اس خدائی میں حضرت مریم کو بھی شامل کیا جاتا ہے؟

پھر مسئلہ کفارہ اور الوہیت مسیح کا ابطال

کیا گیا ہے تثلیث کو دلائل سے رد کیا ہے حضرت مسیح کا صحیح مقام بیان کر کے عیسائیوں کو اسلام کا پیغام دیا ہے اور دوسری طرف مسلمانوں کو اس دجالی فتنہ سے بچانے کے لئے عیسائیت کے عقائد پر تنقید کی ہے اور قرآن مجید نے حتمی فیصلہ فرمایا کہ

ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ
قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ
يَمْتَرُونَ ○

یعنی یہ عیسیٰ بن مریم ہے اور
اس کا یہ واقعہ سچ ہے جس میں لوگ
اختلاف کر رہے ہیں۔"

آیت بالا میں مسلمانوں کو بتلایا گیا ہے کہ حضرت مسیح کے صحیح مقام کو بیان کرنا مسلمانوں کا فرض ہے تا دنیا شرک سے بچ جائے۔ عیسائی حضرت مسیح کو خدا بنانے میں رات دن مشغول ہیں اور ملیوں اربوں اربوں روپیہ اس مقصد کے لئے خرچ کیا جا رہا ہے مگر قرآن نے کہا کہ مسیح ایک رسول تھا جو بنی اسرائیل کے لئے بھیجا گیا خدا یا خدا کا بیٹا نہ تھا۔

سورۃ مریم کی بنیادی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں مسیح کی بے باپ ولادت کا وہ عظیم اور تاریخی واقعہ ہے جس کی لوگوں نے مختلف توجیہات کی ہیں مگر قرآن کریم نے صاف فرما دیا:-

قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ
وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَ
لَمْ أَكُ بَغِيًّا ○

حضرت مریم نے کہا کہ میرے ہاں
لڑکا کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ مجھے
کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور نہ
ہی میں فاحشہ ہوں۔"

ایک مسلمان کا قرآنی نص کے ہوتے ہوئے یہی عقیدہ ہے کہ قدرت خداوندی سے حضرت مسیح علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے تھے اور یہ معجزہ تھا جو یہودیوں کی اصلاح کے لئے تھا۔

سورۃ مریم میں بنیادی مضمون عیسائیت کے متعلق ہے اور بتلایا ہے کہ حضرت مسیح قیام توحید کے لئے آئے تھے لیکن افسوس کہ عیسائیوں نے الوہیت مسیح کا عقیدہ بنا کر شریعت کو لعنت قرار دیدیا۔ تثلیث اور کفارہ کے مسائل گھڑ لئے۔

(۲۰) سُورَۃ طٰہٰ

قدیم عربی زبان میں جس کے بعض کلمات آج کی زبان میں کم استعمال ہوتے ہیں اور نادر الوجود ہیں ان میں سے لفظ طٰہٰ بھی ہے بعض مفسرین نے طٰہٰ کو مقطعات میں شمار کیا ہے۔ تاریخی اور لغوی تحقیق یوں ہے کہ لفظ طٰہٰ، یا رجل کے معنے میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل لغت نے تحریر کیا ہے کہ یہ انداز بیان عکل اور عک قبائل میں استعمال ہوتا ہے۔ بعض اہل لغت نے اس کو حبشی زبان کا لفظ تحریر کیا ہے۔ امام سیبویہ کے شاگرد قطرب کے نزدیک یہ لفظ قبیلہ طے میں بھی

یا رَجُل کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور طٰہٰ کامل انسان، غیر معمولی شخص، کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔

اِس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ مقامِ عظیم کو بیان کیا گیا ہے۔ آنحضرتؐ کی سیرتِ مبارکہ کا ایک ایک لفظ اور ہر صفحہ اس پر شاہدِ ناطق ہے کہ آپؐ ہی طٰہٰ یعنی کامل انسان ہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو غیر معمولی اخلاق عنایت فرمائے ہیں۔ آپؐ کو تمام انبیاء پر فضیلت عنایت فرمائی ہے۔ ہر نبی ایک مخصوص قوم اور علاقہ کے لئے مبعوث کیا گیا۔ آپؐ کو ذہنی و فکری صلاحیتوں سے نوازا گیا، آپؐ کو پُر شوکت معجزات دیئے گئے اور قرآن کریم ایسی عظیم کتاب آپؐ کے قلبِ مطہر پر نازل کی گئی۔ اسلئے آپؐ خاتم النبیین ہیں۔ آنحضرتؐ کے مناقبِ عالیہ کا اظہار اِس سورۃ میں کیا گیا ہے نیز یہ کہ آپؐ کے ذریعہ ہی مسلمانوں کو ترقیات ملیں گی۔

(۲۱) سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ

اِس سورۃ کی ابتداء اِس مضمون سے ہوئی ہے کہ انبیاء کی بعثت پر لوگ اُن کی تکذیب کرتے ہیں مگر ہم انبیاء کو ہی کامیاب کرتے ہیں۔ اگرچہ شروع میں حالات بالکل خلاف ہوتے ہیں۔ فرمایا ان لوگوں کے پاس جب بھی کوئی خدا کے ذکر اور توحید کی تلقین کرنے کے لئے نبی آتا ہے وہ ہنسی کرتے ہیں اور ان کے دل غافل ہوتے ہیں اور وہ گہری سازشیں کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ منکرینِ انبیاء کے خیالات کا جواب دیتا ہوا فرماتا ہے:-

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ
فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ
وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ○

کہ ہم باطل کو حق کے ذریعہ پاش پاش کر دیتے ہیں وہ شکست کھا جاتا ہے۔ اے مشرکو! جو باتیں تم بیان کرتے ہو وہ تمہاری ہلاکت کا باعث ہوں گی۔"

اِس سورۃ میں مختلف انبیاء کے حالات اور اُن کی بعثت کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم، نوح، موسیٰ، داؤد، سلیمان، ہارون، ایوب، اسمٰعیل، ادریس، ذوالکفل، ذوالنون، زکریا، اسحٰق، یعقوب علیہم السلام اور پھر آنحضرتؐ کے مقام کا اظہار ان الفاظ میں کیا گیا ہے:-

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً
لِّلْعٰلَمِينَ ○

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مقام دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کو خدا تعالیٰ نے ساری دنیا کے لئے رہبر اور رحمت بنایا اور اس لحاظ سے آپؐ خاتم النبیین ہیں اور آپؐ سید الانبیاء ہیں۔ اسلام کی یہ بہت بڑی فضیلت ہے کہ اس نے تمام انبیاء پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے:-

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ
رُّسُلِهِ ۚ

ہم خدا کے بھیجے ہوئے رسولوں
کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔

اس بیان کے پیش نظر یہ سورۃ الانبیاء فضیلت
اسلام کے لئے ایک بنیادی اصول رواداری کو
پیش کرتی ہے۔ یہ اصول کسی مذہب کی آسمانی اور
الہامی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ قرآن مجید نے
مختلف انبیاء کا ذکر کرکے ثابت کر دیا ہے کہ
اسلام رواداری کا مذہب ہے اور سب انبیاء
کا احترام کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

(۲۲) سُوْرَةُ الْحَجّ

اس سورۃ میں اسلام کے رُکن حج کے
احکام اور اس کے بنیادی آداب کا ذکر کرتے
ہوئے فریضۂ حج کے قومی اور ملی فوائد بیان کئے
گئے ہیں اور بتلایا ہے کہ حج ایک ایسی اہم عبادت
ہے جو فرزندانِ اسلام کے نفوس کا تزکیہ کرتی ہے
اور ان کو اسلام کے اُن تاریخی مراکز کے دیکھنے
کی سعادت نصیب ہوتی ہے جہاں قرآن مجید کا
نزول ہوا جہاں حق اور باطل کے درمیان معرکے
ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد و مدفن
اور آپؐ کی مصروفیات کے مقام، غارِ حرا، غارِ
ثور، وہ مساجد جہاں حضورؐ سجدہ ریز ہوتے تھے
اور پھر سب سے بڑھ کر إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ
کے مطابق ایک ہی مقام پر مختلف رنگ و نسل
اور قومیت کے مسلمان ملتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآنی آیت
وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ
يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ
كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ
كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ۔
کے ذریعہ توجہ دلائی ہے کہ وہ بھی فریضۂ حج کا اعلان
فرما دیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے اس ارشاد کی اتباع
میں حج کی اہمیت، افادیت، احکام اور آداب و
شرائط بیان فرمائے ہیں۔ صلحاءِ امتِ آنحضرتؐ
کے اس ارشاد کی روشنی میں فریضۂ حج کی تلقین کرتے
رہتے ہیں اور یہ پیشگوئی حرف بحرف پوری ہو رہی
ہے اور فرزندانِ اسلام اکنافِ عالم سے مکہ معظمہ
پہنچتے ہیں۔

حج کے ذکر کے ساتھ اس سورۃ میں حضرت
ابراہیم علیہ السلام کے قیامِ مکہ کا ذکر کیا گیا ہے۔
کیونکہ مکہ معظمہ کی تاریخ میں ان کا بڑا دخل ہے۔
اس سورۃ میں فریضۂ حج اور قربانی کو شعائر
اللہ قرار دیکر کہا گیا ہے لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ
تمہارے لئے ان میں برکت ہی برکت ہے لیکن ان
قربانیوں کے پیچھے در اصل تقویٰ کی روح کارفرما
ہونی چاہیئے اور خدا تعالیٰ کی بڑائی کا اظہار عملی
صورت میں ہونا چاہیئے۔

اس سورۃ کے اختتام پر فریضۂ حج کی
فلاسفی اور اس کے فضائل کا اظہار کرنے کے بعد
فرمایا کہ مشرکین کی شوکت اب پارہ پارہ ہو جائیگی۔

ان کے معبود دنیا کی ذلیل ترین چیز مکھی کو بھی پیدا نہیں کر سکتے چاہے ان کی تمام طاقتیں یکجا اکٹھی ہو جائیں۔

(۲۳) سُورَۃُ المُؤمِنُون

اس سورۃ کا ابتدائی مضمون یہ ہے کہ حقیقی مومن ہی کامیاب و کامران ہوں گے۔ مومنوں کی علامات بیان فرمائی ہیں اور تلقین کی ہے کہ مومنوں کو ان صفات کا حامل ہونا چاہیئے۔

اس سورۃ کا نام اس کی پہلی آیت قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ سے لیا گیا ہے۔ لفظ فلاح کے معنے در اصل زائد گھاس کو جڑ سے اُکھیڑنے کے ہیں۔ یعنی شر اور بدی کو کلیتہً چھوڑنا اور نیکی کو اختیار کرنا۔ ان مومنوں کی پہلی علامت یہ بیان فرمائی کہ وہ اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ یعنی وہ مومن جو اپنی نمازوں میں عاجزانہ رویّہ اختیار کرتے ہیں اور ان کے قلوب میں سوز کی کیفیت ہوتی ہے۔

نماز خالق اور مخلوق کے درمیان بنیادی وسیلہ کا کام دیتی ہے اور اسلام نے اس کو بہت ہی اہمیت دی ہے۔ قرآن کریم کے متعدد مقامات پر نماز کے متعلق تاکیدی ارشاد آیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ تعلق باللہ کے لئے نماز بنیاد ہے اسلئے مومن بننے کے لئے اس شرط کا ذکر کیا گیا ہے۔

پھر فرمایا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ کہ مومن لغو سے اعراض کرتے ہیں۔ لفظ لغو اپنے منطوق میں وسیع معانی پر مشتمل ہے۔ ہر وہ چیز جو انسان کو عبادت اور رضائے الٰہی سے غافل کر دے وہ لغو میں شمار ہوتی ہے اور اس سے اعراض کرنے کا آیت میں ارشاد فرمایا کیونکہ اس کے بغیر ایمان کا حصول ناممکن ہے۔

پھر فرمایا وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ کہ مومن زکوٰۃ باقاعدہ دیتے ہیں۔ اسلام نے جہاں عبادت کی اہمیت اور اس کے متعلق تاکیدی ارشاد فرمایا ہے وہاں معاشیات اور اقتصادیات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرزندانِ اسلام کو اُبھارا ہے کہ اُن کی مالی حالت اچھی ہونی چاہیئے۔ اسلام مال کمانے سے نہیں روکتا مگر وہ ناجائز ذرائع سے مال جمع کرنے سے منع کرتا ہے۔ اسلام برمحل خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اور یہ ایمان کا ایک حصہ ہے۔

پھر فرمایا وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اور ان میں عفت و عصمت کا جذبہ ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرہ میں قیام اخلاق کے لئے ان تمام ابتدائی محرکات پر قدغن لگا دی گئی ہے جن میں سے عفت و عصمت پر زد پڑتی ہو۔ اسی لئے عریانی، فحاشی

عورتوں کو غلط آزادی دینا، مخلوط تعلیم دینے سے اسلام روکتا ہے۔ کیونکہ اگر ان باتوں سے نہ روکا جائے تو آخری مرحلہ پہ بدکاری کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

نماز کا بار بار حکم بھی اسی لئے ہے کہ اس سے دل میں خوفِ خدا پیدا ہوتا ہے اور انسان ان باتوں سے رُک جاتا ہے جو اخلاق وآداب کے منافی ہیں۔

پھر فرمایا وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ کہ مومن وہ ہیں جو اپنی امانتوں اور ذمہ واریوں کو ادا کرتے ہیں۔

یہاں امانت اور ذمہ واری سے تمام وہ اوامر و نواہی مراد ہیں جن کے کرنے کا حکم ہے یا جن بُرے کاموں سے روکا گیا ہے۔ ایسے مومنوں کو جو ان صفات کے حامل ہوں گے خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت ہے کہ کامیاب و کامران ہیں۔

(۲۴) سُوْرَۃُ النُّوْر

اس سورۃ کا نام آیت: اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِىْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۝ سے لیا گیا ہے۔ اس سورۃ میں لفظ نُور کی توجیہات اور معانی میں مفسرین نے مختلف گلہائے رنگ کو پیش کیا ہے۔ اس سورۃ کا اسلامی معاشرہ کی تعمیر و تطہیر سے رابطہ وثیقہ ہے۔ معاشرہ کی ظلمتوں کو دُور کرنے میں یہ سورۃ تریاق ہے اور اس سورۃ میں بیان کردہ احکام ماحول کو خدائی نور سے جگمگ جگمگ کرنے والا بنا دیتے ہیں حقیقی تہذیب و تمدن اور ارتقائی ثقافت کی بنیاد اور محور اس سورۃ کے مندرجات ہیں۔ نفسِ مطمئنہ کا قیام اللہ تعالیٰ کے نور یعنی الہامِ الٰہی سے ہی قائم ہے اور اس کی تازہ اور تابندہ مثال قرآن کریم ہے جو مسلمانوں کی ہر شعبۂ زندگی میں ترقی و تعمیر کے لئے بمنزلہ نور کے ہے۔

عملی حالت کی اصلاح کے لئے اس سورۃ میں کئی اصولی باتیں بیان کی گئی ہیں جس کے لئے عفت اور عصمت کو بطور بنیاد کے پیش کیا گیا ہے اور ان ابتدائی مسببات اور موجبات پر قدغن لگائی گئی ہے جو عفت و عصمت کے منافی ہیں کیونکہ جس ماحول میں عفت کی رُوح ختم ہو جاتی ہے وہاں بدکاری اور جنسی بے راہ روی قومی و ملی اخلاق کو تباہ کر دیتی ہے مگر جن گھروں میں اللہ کا نور موجود ہوتا ہے وہاں اطمینان اور سکون کی فضا ہوتی ہے۔ اس سورۃ کے پہلے رکوع میں ہی زانی اور

زانیہ کے لئے سزا تجویز کی گئی ہے؟

اِس سورۃ کی اہمیت کے لئے ابتداء میں ہی ایسے الفاظ رکھے گئے ہیں جو کسی اور سورۃ میں نہیں ہیں۔ فرمایا سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ کہ یہ ایک ایسی سورۃ ہے جو ہم نے اُتاری ہے اور جس پر عمل کرنا ہم نے فرض کیا ہے اور اس میں ہم نے روشن احکام بیان کئے ہیں۔

اِس سورۃ کا اہم ترین موضوع قیامِ خلافت ہے جو مسلمانوں کے لئے نورِ اسلام، نورِ قرآن، نورِ محمدؐ کے حصول میں بنیادی طور پر ممد ہے کیونکہ خلیفہ خدا تعالیٰ کے دین کے استحکام اور احیاء کا خدا تعالےٰ کی طرف سے ذمہ وار ہوتا ہے۔ اس کے دن اور راتیں اسی کام کے لئے وقف ہوتے ہیں۔ اس کی ہر حرکت میں نورِ الٰہی کا عکس ہوتا ہے۔ خلافت کا استحکام دین کا استحکام ہے۔ اسلامی رعب شوکت اس سے وابستہ ہے۔ اغیار خلافت کے وجود سے لرزاں ہوتے ہیں اور اپنوں کا قدم آگے ہی آگے بڑھتا ہے اور جماعتِ مومنین کے لئے ترقی کی منازل آسان ہو جاتی ہیں اور جماعتی اتحاد اور تنظیم کی رُوح پیدا ہوتی ہے جو مسرت و شادمانی کا پیغام لاتی ہے اور جس سے فرزندانِ اسلام کے قلوب میں نورِ اسلام پیدا ہو جاتا ہے جو محض خلافت کی برکت ہے اور اسلام میں تمکنت پیدا ہوتی ہے۔

(۲۵) سُوْرَةُ الفُرْقَان

قرآن کریم کے مختلف اسماء قرآن کریم میں ذکر ہوئے ہیں۔ ان ناموں میں سے ایک نام الفرقان ہے۔ اِس سورۃ کا ابتدائیہ اِس آیت سے شروع ہوتا ہے:۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ
عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ
نَذِيْرًا ۙ

اِس عظیم فرمان کے نزول میں جو اعتراضات اُس وقت کئے گئے ان کا شافی و مسکت جواب اِس سورۃ میں دیا گیا ہے اور دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ اس فرقان کو اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ نہ خیال کرو بلکہ اس کا اُتارنے والا خدا تعالےٰ ہے۔ فرمایا:۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ
السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ۝

لفظ الفرقان کے معنے: كُلُّ مَا فُرِقَ بِهٖ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ۔ ہر وہ چیز جو حق و باطل کے درمیان امتیاز کر دے۔ البرھان۔ واضح دلیل۔ النصر۔ مدد۔ الصبح۔ کیونکہ صبح رات کی تاریکی کو الگ کر دیتی ہے۔ القرآن۔ قرآن۔ اِن تمام معانی کی رُو سے قرآن کریم کا نام جو الفرقان

ہے تو وہ اس وجہ سے ہے کہ اس کتاب کے دلائل
براہین باطل کو پاش پاش کر دیتے ہیں اور یہ کتاب
حق و باطل کے درمیان کسوٹی کی حیثیت رکھتی
ہے اور خدا تعالیٰ کی ہستی اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی صداقت و حقانیت پر یہ کتاب واضح
دلیل ہے۔ اس میں یہ پیشگوئی بھی مذکور ہے کہ
قرآنی تعلیمات اور احکام کو نظرانداز کر دیا
جائے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے
غم کے انداز میں فرمائیں گے۔ وَقَالَ الرَّسُوْلُ
يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ
مَهْجُوْرًا ۝

اس آیت کریمہ میں یہ سمجھانا مقصود ہے کہ
اگر تم نے قرآن کو مہجور کر دیا تو اس کے نتائج
انتہائی خطرناک ہوں گے اور تم خدا تعالیٰ کی
رحمت سے دور ہو جاؤ گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک
بھی الفرقان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سورۃ کے
کئی مقامات پر آنحضرتؐ کے فیوض اور برکات
کو پیش کیا گیا ہے۔ آپؐ کی صداقت کے دلائل
بیان کئے گئے ہیں۔ مسئلہ توحید کو کئی مثالوں سے
پیش کیا گیا ہے۔ تسبیح و تحمید اور ذکر الٰہی کی تلقین
کی گئی ہے۔ دعا کی طرف پُرشوکت الفاظ میں
توجہ دلائی گئی ہے۔ فرمایا:-

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ
لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ فَقَدْ
كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ
لِزَامًا ۝

(۲۶) سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ

اس سورۃ کا نام آیت وَالشُّعَرَآءُ
يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ سے لیا گیا ہے اور
اس میں بتلایا گیا ہے کہ قرآن کریم خدا تعالیٰ کی وحی
ہے کوئی شعر و شاعری کا مجموعہ یا دیوان نہیں ہے
جیسا کہ بعض لوگوں نے اس کی زبان اور انداز بیان
سے خیال کیا تھا۔ اس خیال کی اس میں تردید کی گئی
ہے۔ فرمایا یہ کتاب آسمانی صفات سے متصف
ہے۔ جس عظیم اور مقدس شخصیت پر یہ کتاب نازل
ہوئی وہ نہایت اعلیٰ صفات کی مالک ہے۔ اس
کی ہر حرکت میں ایمان، تقویٰ اور نیکی کا پہلو غالب
ہے اور وہ زندگی کے ہر پہلو میں اُسوہ حسنہ
کے مقام عالی پر فائز ہے۔ اس سورۃ میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و حقانیت کے
دلائل بیان کئے گئے ہیں اور بتلایا ہے کہ وہ وحی
جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طور سینا کے مقام پر
نازل ہوئی تھی وہ بطور ارہاص کے تھی۔ اس سورۃ
میں سلسلہ اسرائیلی کا ذکر کر کے تاریخ اسلام کے
اوراق کو پیش کیا گیا ہے۔

فرعون کا عبرتناک واقعہ جو اس کی ہلاکت،
ذلت اور بربادی پر منتج ہوا اس کا ذکر بھی اسلئے
کیا گیا ہے کہ جو بھی بڑے سے بڑا آدمی آنحضرتؐ

کے مقابلہ پر کھڑا ہوگا وہ ذلیل کر دیا جائے گا، اس کی شان و شوکت جاہ و جلال کے نبی کے سامنے لاشئی ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ کے سامنے کسریٰ کی بربادی کا واقعہ اس امر پر شاہد ناطق ہے۔ کسریٰ کو ملک الملوک یعنی شہنشاہ کا لقب حاصل تھا۔

سورۃ الشعراء میں وہ اشعار جو معاشرہ میں ایمانی روح، اعمال صالحہ اور قومی تعمیر و ترقی میں ممد ہیں اُن کی اجازت دی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاص شاعر حضرت حسانؓ بن ثابت کو بہت ہی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے حضور علیہ السلام نے ان کو دعا دیتے ہوئے فرمایا "اهج قريشاً جبرئيل معك" کہ قریش کی ہجو بیان کر جبریل تیرے ساتھ ہو۔ ایک اور موقعہ پر شعر کے متعلق فرمایا "إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً" کہ بعض شعر کے مضامین حکمت اور دانائی پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اسلئے اَلشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ کے آگے إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کا استثناء کیا گیا ہے۔

(۲۷) سُوْرَةُ النَّمْل

اس سورۃ کا نام آیت حَتّٰى إِذَا أَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يٰٓأَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ لا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ سے لیا گیا ہے۔

جغرافیہ کی مشہور کتاب معجم البلدان میں وادی النمل کے متعلق تحریر ہے:۔

"هو ما يقرب المدينة عن الجرني"

پھر لکھا ہے:۔

"وهى جبال كثيرة فى وسط ديار بنى قريظة"

شاعر کہتا ہے ؎

فان لها منازل خاويات
على نملى وقفت بها الركابا

اور نملہ کے متعلق تحریر ہے:۔

"الابرقة من مياه النملة"

(قاموس جلد ۳ صفحہ ۲۱۹)

کہ نملہ قوم کے چشموں میں سے ایک چشمہ کا نام ابرقہ تھا۔"

وادی النمل ملک شام سے حجاز جاتے ہوئے راستہ میں ایک وادی ہے جس میں چشمہ بھی ہے۔ اس علاقہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں بہت سے عرب قبائل آباد تھے۔ اس سورۃ میں حضرت سلیمانؑ کی قوت، رعب و شوکت اور غلبہ کا نیز اُن کی افواج اور عساکر کا ذکر ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ کئی اقوام اور قبائل نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے خلاف سر اُٹھایا مگر اُن کو شکست ہوئی۔ آخر انہوں نے

حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔
اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی انجام کار
غلبہ اور قوت دی جائے گی۔ اور یہ وہ حتمی فیصلہ
ہے جس کو تبدیل اور منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔
افسوس کہ مفسرین نے نملہ اور النمل
کی جو توجیہات بیان کی ہیں انہوں نے عام قارئین
کو مشکلات میں ڈال رکھا ہے

اس سورۃ میں حضرت داؤد اور سلیمان
علیہما السلام کے واقعات اور ان کی حکومتی
پالیسی بھی بیان کی گئی ہے۔ حضرت سلیمان نبی بھی
تھے اور بادشاہ بھی تھے۔ نبوت کے فرائض میں
توحید کی اشاعت کے لئے انتہائی انہماک دکھایا۔
آپ نے ایک تبلیغی خط ملکہ سبا (یمن) بلقیس کو
تحریر فرمایا جس کا ذکر اس سورۃ میں آیا ہے :۔

إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے
اور اس کا مضمون یہ ہے کہ اللہ جو
بے انتہا کرم کرنے والا اور بار بار
رحم کرنے والا ہے اس کے نام سے
شروع کرتے ہیں۔"

أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي
مُسْلِمِينَ ۝

"ہم پر زیادتی نہ کرو اور میرے پاس
فرمانبردار بن کر حاضر ہو جاؤ۔"

یہ ملکہ آفتاب پرست تھی اس کا ذکر خدا تعالےٰ
یوں فرماتا ہے :۔

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ
مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ إِنَّهَا كَانَتْ
مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ۝

"حضرت سلیمان نے ملکہ (بلقیس)
کو اللہ کے سوا پرستش کرنے سے روکا
وہ یقیناً کافر قوم میں سے تھی۔"

چنانچہ ملکہ بلقیس حضرت سلیمانؑ کی دعوت پر آپ
کے پاس پہنچتی ہیں۔ ملکہ کا شاہی استقبال ہوا۔ حضرت
سلیمانؑ نے ملکہ کے قیام کے لئے ایک محل تیار کروایا
جس کا ذکر اس آیت میں ہے :۔

قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ
فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً
وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۚ
قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُمَرَّدٌ
مِنْ قَوَارِيرَ ۗ قَالَتْ رَبِّ
إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ
مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ
الْعَالَمِينَ ۝

یعنی بلقیس کو کہا گیا کہ محل میں داخل ہو جاؤ
پس جب اس نے اس محل کو دیکھا تو اس کو گہرا
پانی سمجھا اور گھبرا گئی۔ تب سلیمانؑ نے کہا کہ یہ
تو محل ہے جس میں شیشے کے ٹکڑے لگائے گئے
ہیں۔ تب وہ ملکہ بولی اے میرے رب میں نے

اپنی جان پر ظلم کیا اور میں سلیمان کے ساتھ
رب العالمین خدا پر ایمان لاتی ہوں۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کے اعزاز کے لئے محل میں شیشے کی سلیں لگائی تھیں اور اُن سلوں کے نیچے پانی تھا۔ وہ اس منظر سے گھبرا گئی مگر حضرت سلیمانؑ نے اس کی غلط فہمی دُور کرنے کے لئے فرمایا:-

اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ

یہ تو محل ہے جس میں شفاف شیشے کے ٹکڑے لگائے گئے ہیں۔

اس پر ملکہ بلقیس نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ وہ سمجھ گئی کہ جس طرح شیشے کے نیچے پانی نظر آتا ہے اُسی طرح سورج کا نور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اسلئے آفتاب پرستی غلطی ہے اور خدا تعالیٰ ایک ہی ہے۔

(۲۸) سُوْرَةُ الْقَصَص

اس سورۃ کے آغاز میں خدا تعالیٰ کے نبی حضرت موسیٰؑ اور آپ کے دشمن ظالم فرعون کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ فرعونِ مصر کے مظالم اور اس کی بدسلوکی جو اُس نے بنی اسرائیل کے ساتھ کی تھی اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو زندہ درگور کرنا اور لڑکیوں کو زندہ رکھنا، یہ اور اس قسم کے دوسرے واقعات کا اس سورۃ میں بیان ہے حضرت موسیٰؑ کی پیدائش اور آپ کی غیر معمولی حفاظت، آپ کے بچپن کے واقعات، آپ کی بلوغت کا زمانہ

اور آپ کی شادی کا عجیب وغریب واقعہ اس سورۃ میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے ہجرت کرکے مَدْیَن پہنچتے ہیں کیونکہ مصر کے لوگ آپ کے سخت مخالف تھے۔ قرآن کریم نے ایسے لوگوں کے متعلق ظالم کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مشورہ دیا گیا تھا:-

اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ
بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ
اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ○

اے موسیٰ! اس ملک کے اکابر
آپکو قتل کرنے کا باہمی مشورہ کر رہے
ہیں آپ اس شہر سے نکل جائیں میں
آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں"

اس مشورہ کے پیش نظر

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا
يَّتَرَقَّبُ ۚ قَالَ رَبِّ
نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○

حضرت موسیٰؑ اس شہر سے ڈرتے ہوئے نکل گئے اور آپ نے دُعا کی اے میرے رب! مجھے ظالم قوم سے نجات دے۔"

چنانچہ آپ مَدْیَن کا رُخ کرتے ہیں وہاں آپ کا گزر ایک چشمہ کے پاس سے ہوا تو آپ نے وہاں لوگوں کا اژدحام دیکھا جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے اور دو عورتیں بھی جو سب لوگوں کے بعد اپنے جانوروں کو پانی پلانے کی

کی انتظار کر رہی تھیں۔ حضرت موسیٰؑ کی شرافت اور بلندیٔ اخلاق نے تقاضا کیا کہ یہ کام آپ کر دیں چنانچہ آپ نے اُن کے جانوروں کو فوراً پانی پلا دیا۔ لڑکیوں نے اپنے بوڑھے والد سے جا کر یہ قصہ بیان کیا۔ بوڑھے والد نے کہا کہ اس شخص کو بلاؤ جس نے جانوروں کو پانی پلایا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ۔

جب حضرت موسیٰؑ اس بوڑھے کے پاس آئے اور اس کے سامنے اپنا سارا واقعہ بیان کیا۔

قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اُس نے کہا ڈر نہیں تو اب ظالم قوم سے نجات پا گیا ہے۔"

یہ واقعہ حضرت موسیٰؑ کی زندگی میں ایک نئے موڑ کا باعث ہوا اور آپ کی شادی اس گھرانہ میں ہو جاتی ہے۔

اس سورۃ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی یہ ہجرت ان کے لئے خدائی رحمتوں کا باعث بنی۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ نئے رُخ کا باعث ہوگی اور آپؐ کی ترقی بھی ہجرت سے تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ ہجرت میں بہت سے اخلاقی و معاشرتی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

(۲۹) سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْت

اس سورۃ کا نام مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ کے لفظ عنکبوت سے لیا گیا ہے۔

اس سورۃ میں خدا تعالیٰ نے کئی اقوام مثلاً قوم عاد، ثمود، قارون، فرعون اور ہامان کی عبرت انگیز ہلاکت کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ ان اقوامِ بالا اور اشخاص کی بربادی کیوں ہوئی؟ یہ لوگ اور اقوام نہ صرف ہستی باری تعالیٰ کی منکر تھیں بلکہ انہوں نے ازراہِ تمسخر خدا تعالیٰ کے بالمقابل دوسرے معبود بنا رکھے تھے اور ان کی سوسائٹی میں خدا تعالیٰ کی ذات سے استہزاء کیا جاتا تھا جیسا کہ فرمایا کہ ان لوگوں کا حال جنہوں نے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر اور دوست بنا لئے ہیں اُن کا مکڑی کا سا حال ہے جس نے اپنے لئے ایک گھر بنا لیا ہو۔ لیکن گھروں میں سب سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا ہی ہوا کرتا ہے جو بغیر کسی کاوش کے برباد ہو جاتا ہے۔ اور جس کا تار و پود فوراً بکھر جاتا ہے۔ کاش کہ لوگ سمجھیں۔

بَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ کے معنے عربی زبان میں مکڑی کے گھر کے ہیں جو بہت ہی کمزور ہوتا ہے یہ لفظ یہاں پر تشبیہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

یہ تشبیہ شرک کے خلاف بیان کی گئی ہے کیونکہ شرک بھی کمزور اور وہمی بنیاد پر قائم ہے۔

اِس سورت میں اُس ہجرت کا ذکر کیا گیا ہے جو مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے حبشہ کی طرف کی طرف کی۔ اس کی اہمیت، افادیت اور ضرورت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اِس ذکر سے مقصد یہ ہے کہ یہ ہجرت توحید کی تبلیغ اور اشاعت کیلئے کی گئی تھی اور شرک کو نیچا دکھانا مقصود تھا۔

شرک کے خلاف تبلیغ کے سلسلہ میں تکالیف و مصائب تزکیۂ نفس اور آزمائش کے لئے ضروری ہیں اور کامیابی اسلام کی ہی ہو گی۔ بالآخر یہی ہوا کہ عرب میں اسلام و توحید کی اشاعت ہوئی۔

(۳۰) سُوْرَةُ الرُّوْمِ

تاریخ عالم میں دو حکومتیں سب سے زیادہ مشہور ہوئی ہیں۔

۱۔ سلطنت فارس ۲۔ سلطنت روم

یہ دونوں حکومتیں جغرافیائی لحاظ سے عرب کے قرب و جوار میں تھیں۔ سلطنت فارس عرب کے شمال مشرق میں واقع تھی اور سلطنت روم شمال مغرب میں۔ ان سلطنتوں کی حدود آپس میں متصل تھیں۔ اسلام کے ابتدائی ایّام میں دونوں حکومتیں برسر پیکار تھیں۔ حکومتِ فارس نے لڑائی کے بعد حکومتِ روم کے کچھ حصّہ پر قبضہ کر لیا۔ اہلِ فارس کا مذہب بُت پرستی تھا اور قریش کا بھی یہی مذہب تھا۔ اِس بنا پر قریش کو حکومتِ فارس کے اِس غلبہ و اقتدار پر خوشی حاصل ہوئی مگر اس کے بالمقابل مسلمانوں کو سلطنتِ روما سے مذہباً و اخلاقاً ہمدردی تھی کیونکہ سلطنتِ روما حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب تھی اور بوجہ اہلِ کتاب ہونے کے وہ مسلمانوں کے زیادہ قریب تھے۔ اِن حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوئی اور آپؐ نے اِس پیشگوئی کو بیان فرما دیا کہ

الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِیْٓ
اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ
غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِیْ
بِضْعِ سِنِيْنَ ط لِلّٰهِ الْاَمْرُ
مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ط وَ
يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝
بِنَصْرِ اللّٰهِ ط

اِس وحی کو سُن کر حضرت ابوبکرؓ نے اہلِ مکہ میں اعلان کر دیا کہ اب روم فارس پر غالب آجائے گا۔ چنانچہ قرآنی الفاظ بضع سنین کے مطابق سنہ ۶۰۲ء سے سنہ ۶۰۸ء تک حکومتِ روم نے اپنے تمام مقبوضات فارس سے دوبارہ واپس حاصل کر لئے۔ سر ولیم میور نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :-

”جب فارس کی فتوحات کا سیلاب ابھی تک برابر بڑھا چلا جاتا تھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تیسویں سورۃ میں یہ پیشگوئی کی کہ عنقریب روم فارس

پر غالب آئے گا اور جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں واقعات نے اس پیشگوئی کو سچا ثابت کیا۔"
(لائف آف محمدؐ صفحہ ۷۹)

اسی بناء پر اس سورۃ کا نام الرُّوم ہے۔

(۳۱) سُورَۃ لُقمَان

اس سورۃ میں حضرت لقمانؑ کی نصائح اور مواعظ کا ذکر ہے۔ مواعظ لقمان انسانی معاشرہ میں بہترین کردار اور نتائج ثمرہ کے حامل ہیں اور اس اخلاقی تعلیم کے اثرات دوررس ہیں اور کامیابی کی بنیاد اخلاق فاضلہ پر ہے۔ ؎

انما الامم الاخلاق ان صلحت
صلحوا وان فسدت اخلاقھم فسدوا

مواعظِ لقمان کا خلاصہ:۔

۱۔ سورۃ لقمان میں پہلے نمبر پر شکر کرنا ہے۔ (اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ)

۲۔ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ۔ اللہ کے بالمقابل کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

۳۔ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ۔ ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکیدی تعلیم دی ہے۔

۴۔ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ۔ خدا کا شکر کرا اور اپنے ماں باپ کا بھی۔

۵۔ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ انجام کار انسان کا لوٹنا خدا تعالیٰ کی طرف ہے۔

۶۔ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا۔ اگر والدین اس امر پر اصرار کریں کہ میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے تو اس معاملہ میں ان کی ہرگز اطاعت نہ کر۔

۷۔ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا۔ لیکن دنیاوی امور میں اُن کا اچھی طرح ساتھ دے۔

۸۔ وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ج اور اس کے رستہ کی پیروی کر جو میری طرف رجوع کرتا ہے۔

۹۔ يٰبُنَيَّ اِنَّهَا اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۔ اے میرے پیارے بیٹے اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہو، پھر وہ کسی چٹان کے اندر ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں ہو اللہ اسے ظاہر کر دے گا کیونکہ خدا تعالیٰ باریک بین اور خبردار ہے۔

۱۰۔ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ۔ اے بیٹے نماز قائم کر۔

۱۱۔ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ۔ اور نیکی کا حکم دے۔

۱۲- وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ اور برائی سے روک۔
۱۳- وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ۔ اور جو تکلیف تجھے پہنچے اس پر صبر کر۔
۱۴- وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ۔ اور تکبر سے لوگوں سے مُنہ نہ پھیر۔
۱۵- وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا۔ اور زمین میں اکڑتا ہوا نہ چل یعنی انکساری کر۔
۱۶- وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ۔ اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر یعنی اعتدال کی زندگی بسر کر
۱۷- وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ۔ اور اپنی آواز کو نیچا رکھ۔

یہ نصائح حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ اس مناسبت سے اس سورۃ کا نام سورۃ لقمان ہے۔ بہت سے مفسرین کا خیال ہے کہ حضرت لقمانؑ خدا کے پیغمبر تھے جو ملک حبش کے رہنے والے تھے۔

(۳۲) سُوْرَةُ السَّجْدَةِ

اِس سورۃ کا نام اِس آیت سے لیا گیا ہے:-

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ
اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا
سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ
رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ۝

ہماری آیات پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو ان کے متعلق یاد دلایا جاتا ہے تو وہ سجدہ کرتے ہوئے زمین پر گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی تعریف اور تسبیح کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔“

اِس سورۃ میں ایمان اور کفر کا موازنہ کرتے ہوئے بتلایا گیا ہے کہ ایمان کی تعریف اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے اوامر کی اطاعت کی جائے اور نواہی سے انسان رُک جائے۔ اور مومنوں میں انکساری کا ہونا ضروری ہے کیونکہ تکبر کئی نیکیوں کے حصول میں روک بن جاتا ہے مسلمانوں کی کامیابی کی ضمانت قرآنی تعلیمات پر عمل کرنے سے ہی ہو سکتی ہے۔

عبادت سے اطاعت اور اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور عملی حالت ٹھیک ہوتی ہے۔

اِس سورۃ کے اختتام پر فرمایا کہ وقت آنے والا ہے کہ عرب کی بنجر زمین اور وہاں کے باشندے خدا تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوں گے۔ فرمایا:-

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ
اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ
بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ
وَاَنْفُسُهُمْ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ۝

قرآن کریم کی تلاوت کے وقت جو سجدہ کیا جاتا ہے یہ بہت ضروری ہے کیونکہ اس کو ایمان کی علامت قرار دیا گیا ہے اور اس وقت کا سجدہ طبیعت میں

ایک رقّت کی کیفیت کا باعث ہوتا ہے۔

(۳۳) سُورَۃ الاحزاب

اِس سورۃ کا نام غزوۂ احزاب پر ہے جو ۵ ہجری میں ہوا اور قریش کے اشتعال پر مسلمانوں کے خلاف ہوا۔ قبائل عرب اسلام کے خلاف ہو گئے جس میں روایات کے مطابق دس ہزار سے چوبیس ہزار افراد نے شرکت کی۔ اِس بڑی تعداد نے مدینہ پر حملہ کیا۔ قرآن کریم اِس غزوہ کی شدت اور موقع کی نزاکت کو یوں بیان کرتا ہے :۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ
الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا
مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ
وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ز
وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا
وَّتَسْلِيْمًا ○

وہ شدّت کیا تھی؟ قرآن کریم اس کو یوں ذکر کرتا ہے :۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ
وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ
زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ
الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ
بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ○

جبکہ مخالف تمہارے اُوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی آ گئے تھے اور جبکہ آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور دل دھڑکتے ہوئے حلق تک آ گئے تھے اور تم اللہ کے متعلق مختلف شکوک میں مبتلا ہو گئے تھے۔"

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ
وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ○

اُس وقت مومن ایک ابتلاء میں ڈال دیئے گئے اور سخت ہلا دیئے گئے تھے۔

ایک ماہ تک مدینہ منورہ قلعہ کی صورت اختیار کر گیا۔ آنحضرتؐ اور صحابہ کرامؓ کو فاقے کرنے پڑے نوبت بایںجا رسید کہ پیٹوں پر پتھر باندھے گئے۔ پہلے انفرادی جنگ ہوتی رہی۔ مشہور پہلوان عمرو بن ود کو حضرت علیؓ نے قتل کر دیا۔ پھر کفار نے اِس شدت سے حملہ کیا کہ تیروں اور پتھروں کی موسلا دھار بارش تھی۔ سردی کا موسم تھا۔ رات کے وقت خدائی نصرت نے آندھی چلا دی جس سے دشمن کے خیمے اُکھڑ گئے، دیگیں اُلٹ گئیں۔ قرآن کریم نے اِس نصرتِ خداوندی کا یوں اظہار فرمایا ہے :۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا
نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ
جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا
عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا
لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ○

اے مومنو! خدا تعالیٰ کی اس نعمت
کو یاد کرو جو اُس نے تم پر اُس وقت
کی جبکہ تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے
تھے اور ہم نے اُن کی طرف ایک ہوا
بھی اور ایسے لشکر بھیجے تھے جن کو تم نہیں
دیکھتے تھے اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب
دیکھتا ہے۔"
قبائلِ عرب کی کثیر تعداد نے جب قدرتِ
خداوندی کا مظاہرہ اپنے خلاف دیکھا تو بددل
ہو گئے، اُن کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ رات
کی تاریکی میں بھاگ گئے۔

عربی زبان میں الاحزاب کا مفرد الحِزْب
ہے اور حِزب کے معنے ہیں کل قوم تشاکلت
قلوبھم واعمالھم فھم احزابٌ و
ان لم یلق بعضھم بعضًا کہ وہ لوگ
جن کے عزائم اور اعمال ایک جیسے ہوں وہ حزب
کہلاتا ہے چاہے ان میں سے بعض کی بعض سے
ملاقات بھی نہ ہو۔
اس لفظ کے انتخاب میں بڑی بلاغت ہے
اور کفار، مشرکین اور قبائلِ عرب کے اُن عزائم
کی طرف اشارہ ہے جو اُن کے قلوب میں اسلام
کے خلاف تھا۔
اس سورۃ میں مسلمانوں کو انتہائی زریں مشورہ
دیا گیا ہے اور فرمایا:۔
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ
اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
تمہارے لئے اللہ کے رسول میں
ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔"
اس احسان کا بدلہ تم اس طرح بھی دے سکتے ہو:۔
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا
عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○
اے مومنو! تم رسول پر درود
بھیجو اور سلامتی کی دعا کرتے
رہا کرو۔"

(۳۴) سُوْرَۃ سَبَا

اس سورۃ کا نام اس آیت سے لیا گیا ہے:۔
لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ
اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ
وَّشِمَالٍ ۬ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ
رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ
طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ○
قومِ سبا کے لئے ان کے اپنے
ملک میں ایک نشان تھا اور وہ دو
باغوں کی صورت میں تھا جن میں سے
ایک دائیں طرف تھا اور ایک بائیں
طرف تھا۔ اپنے رب کے رزق کھاؤ
اور اس کا شکر ادا کرو۔ تمہارا شہر
ایک خوبصورت شہر ہے اور تمہارا
رب بہت بخشنے والا ہے۔"

جغرافیائی لحاظ سے سبا قوم کا مرکز یمن کا مشرقی حصہ تھا جو بہت ہی سرسبز علاقہ تھا اور اس کا دارالحکومت شہر مآرب تھا۔ یہ ایک مشہور تجارتی قوم تھی اور اس کا موجودہ نام یمن و عسیر کا علاقہ ہے۔ بحری اور بری راستوں پر اس قوم کا تجارتی اثر و رسوخ تھا۔ ملک شام، فلسطین اور مدین کے قرب میں سبا کی نوآبادیاں تھیں۔ یہ قوم آفتاب پرست تھی۔ قرآن مجید میں قوم سبا کے علاقہ کو باغات کا علاقہ قرار دیا گیا ہے۔ جہاں باغات ہوں گے وہاں ظاہر ہے کہ پانی کی فراوانی ہوگی اور باشندے دولتمند ہوں گے۔ مؤرخین کے نزدیک ان باغات کی وسعت تین سو (۳۰۰) مربع میل تھی۔ اور یہ علاقہ پھلوں اور پھولوں سے مالا مال تھا، رزق کی فراوانی تھی اور انتہائی خوبصورت و سرسبز علاقہ تھا۔ خوشبودار مصالحے اور خشک پھل کی تجارت عام تھی۔ یہ لوگ سامانِ تجارت یمن سے شام کو لے جاتے تھے اور بحری راستہ سے سامانِ تجارت ہندوستان اور دوسرے ملکوں سے لاتے تھے۔ اور سارے عرب میں اس قوم کی دھوم تھی اور ان کی حکومت عدن سے خلیج فارس کے ساحل تک تھی۔

اس قوم کی تباہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانہ کے قریب ہی ہوئی تھی۔ اس قوم نے خدا تعالیٰ کی نعمتوں سے اعراض کیا اور ان کی عملی حالت بہت ابتر ہو گئی تھی۔ فسق و فجور اور شرک میں بہت بڑھ گئے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان کی سزا کی وجہ یوں ذکر فرمائی ہے:۔

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ

"کہ یہ سزا ہم نے ان کو اسلئے دی کیونکہ انہوں نے ناشکری کی اور ہم ناشکر گزار کو ہی سزا دیا کرتے ہیں"

(۳۵) سُوْرَةُ الفاطر

اس سورۃ کا نام اس کی پہلی آیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

سے لیا گیا ہے۔ فَاطِر خدا تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے جس کے معنے ہیں پیدا کرنے والا فطرتِ انسانی کو۔ اب خدا تعالیٰ نے انسانی فطرت میں خدا سے تعلق پیدا کرنے کی خواہش ودیعت کی ہے اور اس خواہش کی تکمیل کے لئے تمام ذرائع بھی مہیا فرماتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس سورۃ کا بنیادی مضمون خدا تعالیٰ کی روحانی ربوبیت اور تزکیۂ نفس ہے جسکی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

(۳۶) سُوْرَۃ یٰسٓ

اِس سورۃ کا نام پہلی آیت یٰسٓ سے ماخوذ ہے۔ یٰسٓ حروفِ مقطعات میں سے ہے اور اس کے معنے ہیں "اے سید"۔ سٓ "سَیّد" کا قائم مقام ہے۔ اس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سردار اور سیّد ہونے کے دلائل مذکور ہیں۔ سب سے پہلی دلیل وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْم ہے۔ یعنی ہم حکمت والے قرآن کو تیرے سیّد ہونے پر بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

بعض نے یٰسٓ کے معنے "اے انسان" کے کئے ہیں۔ یعنی آنحضرتؐ نے انسانیت کو کمال ارتقاء اور معراج تک پہنچا دیا اور آنحضرتؐ کے ساتھ رابطہ قائم کر کے ہی انسان عظیم کمالات حاصل کر سکتا ہے کیونکہ حضورؐ اسوہ حسنہ ہیں۔

آنحضرتؐ نے سورۂ یٰسٓ کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ قلبِ قرآن ہے یعنی قرآن پاک کا نقطۂ مرکزی ہے۔ یہ ارشادِ نبوی اس سورۃ کے اہم اور بنیادی مضامین کی وجہ سے ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے :-

اِقْرَءُوا سُوْرَۃَ یٰسٓ عَلٰی مَوْتَاکُمْ۔

"اپنے وفات پانے والے یعنی موت کے قریب اشخاص پر سورہ یٰسٓ پڑھا کرو۔"

دنیا کی حقیقی بادشاہت خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور انسان کے اعمال کا محاسبہ خدا تعالیٰ کے حضور ہوگا۔ چنانچہ فرمایا :-

فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ○

اس سورۃ کے مندرجات کا تعلق۔ تعلق باللہ، حُبِّ رسول اور اصلاحِ نفس اور روحانی ارتقاء سے ہے۔

(۳۷) سُوْرَۃ الصّٰٓفّٰت

اس سورۃ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اوصاف و محاسن بیان کئے گئے ہیں چنانچہ فرمایا وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا۔ میں شہادت کے طور پر پیش کرتا ہوں اُن مقدس نفوس کو جو سیدھی صفیں باندھے کھڑے ہیں۔

فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا۔ اور بُرے کام کرنے والوں کو ڈانٹتے ہیں۔

فَالتّٰلِیٰتِ ذِکْرًا۔ اور ذکرِ الٰہی یعنی قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔

اس سورۃ میں پیغامِ قرآنی کی اشاعت کرنے والوں کا ذکر ہوا ہے اور اُن کی اعلیٰ صفات کا بیان ہوا ہے۔

اَلصّٰٓفّٰت کے معنے ہیں الملائکۃ یعنی فرشتوں کے بھی ہیں جیسا کہ کتب لغت میں لکھا

ہے مگر اس جگہ پر الصّٰفّٰت سے مراد ایسے لوگ بھی ہیں جو نمازیں پڑھتے ہیں اور صفیں باندھ کر ذکرِ الٰہی کرتے ہیں۔ فرشتے تو غیر مرئی ہستیاں ہیں یہ آیات نمایاں طور پر صحابہ کرامؓ پر ہی صادق آتی ہیں۔ اس سورۃ میں مختلف انبیاء کے مکذّبین کے عبرتناک حالات بیان کئے گئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا گیا ہے کہ تیری بھی اسی طرح مخالفت ہوگی مگر آخر تُو بھی کامیاب ہوگا جیسا کہ دوسرے انبیاء کامیاب ہوتے تھے۔

(۳۸) سُوْرَۃ صٓ

صٓ کے معنے صادق کے ہیں اور صَدَقَ اللّٰہ کے بھی ہیں۔ یہ صٓ حروفِ مقطعات میں سے ہے۔ اور اس صٓ کے یہاں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس قرآن کو صادق خدا نے نازل کیا ہے۔ چنانچہ اس سورۃ صٓ میں مختلف انبیاء کا ذکر کر کے بیان کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہمیشہ ہی سچا ہوتا رہا ہے، وہ وعدہ غلبۂ انبیاء کا ہے۔ وعدہ کی سچائی کے ضمن میں فرمایا:-

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝
وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۝

"یہ قرآن تو سب جہانوں کے لئے ایک نصیحت کی کتاب ہے اور تم کچھ عرصہ کے بعد اس کی خبر کو جان لوگے"۔ یعنی قرآن کریم کی پیشگوئیاں تم اور تمہاری نسلیں بعد میں پوری ہوتی دیکھیں گی اور تم خدائے صادق کے اس کلام کی تصدیق کروگے اور بلند آواز سے کہوگے صٓ۔ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝

(۳۹) سُوْرَۃُ الزُّمَر

لفظ الزُّمَر، زُمرۃ کی جمع ہے جس کے معنے الجماعۃ، الفوج کے ہیں۔ اس سورۃ میں مومنین اور منکرین انبیاء کی جماعتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور اس ضمن میں ایک ہی لفظ الزُّمَر مومنوں کے لئے بھی اور منکرین کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ منکرین کے ذکر پر فرمایا:-

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝

یعنی کفار کو جہنم کی طرف گروہ در گروہ صورت میں ہنکایا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ جہنم کے پاس آئیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور ان

لوگوں سے جہنم کے داروغے کہیں گے
کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں
آتے تھے جو تمہارے سامنے تمہارے
رب کی آیات پڑھ کر سُناتے تھے اور
آج کے دن کی ملاقات سے تم کو ہوشیار
کرتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ ایسا ہی
ہوا تھا لیکن کفار پر عذاب کی پیشگوئی
پوری ہونی ہی تھی۔
مومنوں کے متعلق لفظ زُمَرًا اِس آیت میں
آیا ہے :-

وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا
رَبَّهُمْ اِلَی الْجَنَّةِ زُمَرًا ط
حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْهَا وَ
فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ
لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ
عَلَیْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا
خٰلِدِیْنَ ٥

اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے
اُن کو جنت کی طرف گروہ در گروہ پیار
سے روانہ کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ
جب وہ جنت کے پاس آئیں گے تو اس
کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور
جنت کے محافظ مومنوں سے کہیں گے
تم پر سلامتی ہو، تم بڑی اچھی حالت کو
پہنچے ہو پس اس میں ہمیشہ کے لئے داخل
ہو جاؤ۔

(۴۰) سُوْرَةُ الْمُؤْمِن

اِس سورۃ کا نام اس آیت سے لیا گیا ہے :-

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ق مِّنْ
اٰلِ فِرْعَوْنَ یَكْتُمُ اِیْمَانَهٗۤ
اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ
رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ
بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ط وَ
اِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَیْهِ
كَذِبُهٗ ج وَاِنْ یَّكُ صَادِقًا
یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ ط
اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ
مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ٥

آلِ فرعون میں سے ایک شخص جو
ایماندار تھا مگر اپنا ایمان چھپاتا تھا اس
نے کہا اے لوگو! کیا تم ایک آدمی کو محض
اسلئے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے
کہ اللہ میرا رب ہے حالانکہ وہ تمہارے
رب کی طرف سے نشانات بھی لایا ہے؟
اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا
وبال اُسی پر پڑے گا اور اگر وہ سچا ہے
تو اس کی بعض پیشگوئیاں بہرحال تمہارے
متعلق پوری ہو جائیں گی۔ اللہ حد سے
بڑھے ہوئے اور بہت جھوٹ بولنے والے

کو کبھی کامیاب نہیں کرتا"

آیت کا اسلوب بیان بتلا رہا ہے کہ یہ مردِ مومن فرعون کی قوم سے تھا۔ خدا تعالیٰ کے انبیاء کی قوتِ قدسیہ میں جاذبیت اور مقناطیسی طاقت ہوتی ہے۔ دیکھئے اس مردِ مومن نے کیسی تائید کی۔ اس کی تائید میں سنجیدگی بھی ہے منطق بھی ہے، دلائل بھی ہیں اور اس کا اسلوبِ گفتگو ایک خاص جذبۂ ہمدردی کو لئے ہوئے ہے۔ اس مردِ مومن نے مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ موسیٰ دلائلِ بیّنہ لیکر تمہاری ہدایت کے لئے آئے ہیں۔ مجھے ڈر ہے اگر تم نے حضرت موسیٰؑ کو جھٹلا دیا تو تمہارا انجام بھی قومِ نوحؑ، عاد اور ثمود کا سا ہوگا۔ اس سورۃ میں بتلایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ کے مطابق انبیاء کی مدد کرتا ہے۔ حق کی مخالفت کرنے والے ناکام ہوتے ہیں۔ فرعون اور ہامان کی ناکامی اور حضرت موسیٰؑ کی کامیابی کا ذکر کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ یوں مخاطب فرماتا ہے۔ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ کہ آپ صبر و استقلال اختیار کریں اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔

(۴۱) سورۃ حٰمٓ السجدۃ

اس سورۃ کا نام حٰمٓ حروف مقطعات سے لیا گیا ہے۔ یعنی یہ قرآن حمید مجید خدا کی طرف سے اُتارا گیا ہے۔ اس سورۃ کا دوسرا نام فُصِّلَتْ بھی ہے یعنی اس قرآن کی آیات کو کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔ اور اس کے مضامین الگ الگ ہیں۔ اس سورۃ میں بتلایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ اُس وقت تک گرفت نہیں کرتا جب تک مخالف کے سامنے نیکی اور بھلائی کی راہیں بتلائی نہیں جاتیں۔ ایمان لانیوالے خدا تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرتے ہیں مگر انکار کرنے والے عذاب میں مبتلا کئے جاتے ہیں۔ نیز اعمالِ صالحہ کا اجر ملتا ہے۔

خدا تعالیٰ کی گرفت کے لئے قومِ عاد کی مثال پیش کی کہ ان کو سخت آندھی نے تباہ و برباد کر دیا اور اُن کی جائے رہائش ایک افسانہ بن کر رہ گئی۔ قومِ عاد کے بعد قومِ ثمود کی مثال بھی پیش کی ہے۔

قرآن کریم کا ظاہری اثر اتنا ہے کہ کفار نے اس اثر کو دُور کرنے کے لئے کہنا شروع کر دیا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ کہ اس قرآن کو مت سنو اور اس میں شور ڈالو تاکہ تم غالب آسکو۔

اس سورۃ میں دعوت الی اللہ کرنے کی تلقین بڑے مؤثر انداز میں کی گئی ہے۔ سورۃ کے اختتام پر بتلایا گیا ہے کہ اسلام کی مخالفت کرنے سے کیا بنتا ہے اسلام بہرحال غالب ہو کر رہے گا۔ فرمایا:-

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ
وَفِىْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ

لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ط

ہم اُن کو اپنے نشانات اطراف
میں اور اُن کی اپنی جانوں میں دکھائیں گے
یہاں تک کہ اُن کے لئے کھل جائے گا کہ یہ
قرآن اور یہ دین حق ہے۔"

(۴۲) سُوْرَةُ الشُّوْرٰى

اِس سورۃ کا نام اِس آیت سے لیا گیا ہے :-

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ
وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ
شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ص وَمِمَّا
رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ o

کہ جو لوگ اپنے رب کی آواز کو
قبول کرتے ہیں اور نمازیں باجماعت
ادا کرتے ہیں اُن کا طریق یہ ہے کہ
اپنے ہر معاملہ کو باہمی مشورہ سے
طے کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن
کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے
رہتے ہیں۔"

اِس سورۃ میں مسلمانوں کو اس امر کی تلقین کی گئی ہے کہ مشورہ قومی اور ملی مفاد اور استحکام کے لئے ضروری امر ہے اور تمہارے معاملات باہمی مشورہ سے طے ہونے چاہئیں۔ اس سے تمہاری دماغی اور ذہنی صلاحیتیں اجاگر ہوں گی۔ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو مشورہ کرنے کے کئی فوائد ہوتے ہیں :-

۱۔ امرِ مطلوب میں یکجہتی اور اتحاد کی روح پیدا ہو جاتی ہے۔
۲۔ اخوتِ اسلامی کی رُوح پیدا ہو کر اس کام میں نیک جذبہ پیدا ہوتا ہے۔
۳۔ امرِ مطلوب کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔
۴۔ مشورہ قوم کے ہر فرد کے لئے قابلِ تسلیم ہو جاتا ہے۔
۵۔ دشمن پر اس کا رعب و اثر ہوتا ہے۔
۶۔ ہر شخص ایک پُرزہ کی مانند ہوتا ہے اور وہ قومی وقار کے لئے کام کرتا ہے اور اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے۔
۷۔ غور و فکر کی عادت بڑھ جاتی ہے۔

(۴۳) سُوْرَةُ الزُّخْرُف

زُخْرُف کے معنے الذَّهَبُ سونا، حُسْنُ الشَّئِ کسی چیز کی خوبی و کمال۔ اس کی جمع زخارف ہے۔ (المنجد)

اِس سورۃ کا نام اِس آیت سے ماخوذ ہے :-

وَزُخْرُفًا ط وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ
لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ط
وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ
لِلْمُتَّقِيْنَ o

اِس کا اپنے سیاق و سباق کے لحاظ سے مفہوم یہ ہے کہ دُنیا کے اموال و املاک خدا تعالیٰ کے حضور کچھ حقیقت نہیں رکھتے اور اگر کفار کو اتنا مال دیدیا جائے اور دُنیا کے ساز و سامان سے ان کے گھر بھر دیئے جائیں اور ان کے گھروں میں سونے چاندی کی بہتات ہو تو یہ لوگ اور بھی

طمع کرنے لگ جائیں گے۔ یہ وہ لالچ کا غلط جذبہ ہے جس نے ان کو اخلاقِ حسنہ سے محروم کر دیا ہے۔ انسان اگر زر پرست ہو جائے تو توحید سے غافل ہو جاتا ہے۔ آخرت ان اشخاص کے لئے ہے جو خدا تعالیٰ کے حضور جھکتے ہیں اور بدیوں سے بچتے ہیں اور ان کا قدم نیکیوں کی طرف اُٹھتا ہے۔ فرمایا:۔

وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ○

اور جو کوئی رحمٰن خدا کے ذکر سے منہ موڑ لیتا ہے ہم اس پر ایک شیطانی خصلت وجود کو مستولی کر دیتے ہیں اور اس کا ہر وقت کا ساتھی ہو جاتا ہے۔

دنیا کی یہ زخرف (خوبصورتی) انسان کو قربِ خداوندی سے محروم کر دیتی ہے۔ اس سورۃ میں عقیدہ الوہیتِ مسیحؑ و ابنیتِ مسیحؑ کی تردید کی گئی ہے اور کفارہ کی جڑ کو کاٹ دیا ہے۔ حضرت مسیحؑ کے متعلق کہا گیا ہے:۔

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ○

کہ حضرت عیسیٰؑ تو خدا کا صرف ایک بندہ تھا جس پر ہم نے انعام کیا اور اس کو بنی اسرائیل کے لئے بطور نمونہ کے بنایا تھا۔

(۴۴) سُوْرَةُ الدُّخَان

عربی زبان میں دُخان کے معنے دھواں کے ہوتے ہیں اور یہ لفظ قحط، خشک سالی، شر اور فساد کے لئے بھی عربی محاورہ میں استعمال ہوتا ہے۔ جدید عربی میں الدخان کے معنے التبغ۔ تمباکو یا سگریٹ کے بھی ہوتے ہیں کیونکہ اس کے پینے سے دھواں نکلتا ہے۔ چنانچہ عرب ممالک کی ریل گاڑی میں "التدخین ممنوع" سگریٹ پینا ممنوع ہے کے الفاظ لکھے ہوتے ہیں۔ اس سورۃ کا نام الدخان اس آیتِ کریمہ سے لیا گیا ہے:۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ○ يَّغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

پس تو اُس دن کا انتظار کر جس دن آسمان پر ایک کھلا کھلا دھواں ظاہر ہوگا جو سب لوگوں پر چھا جائے گا۔ یہ دردناک عذاب ہوگا"۔

اس آیت کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ اس میں ان ایجادات اور مہلک آتشیں ہتھیاروں کا ذکر ہے جن کے پھٹنے سے فضا میں آگ اور دھواں پھیل جاتا ہے چنانچہ ہائیڈروجن بم، نائٹروجن بم، ایٹم بم جن کی تباہی و بربادی کے حالات ہم روزانہ سنتے ہیں اور لرز جاتے ہیں۔ جاپان کے شہروں کی بربادی ہمارے سامنے ہے۔ یہ سب اشیاء الدخان کی ذیل میں آتی ہیں جو بطور پیشگوئی کے بیان فرمائی گئی ہیں۔

(۴۵) سُوْرَۃُ الجَاثِیَۃ

جاثیۃ : جثی علی رُکبتیہ - اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھنا - اس سورۃ کا نام اس آیت سے لیا گیا ہے - خدا تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً قف
كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ط
اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ۝

"کہ تو آخری زمانہ میں یا قیامت کے دن ہر ایک اُمت کو دیکھے گا کہ وہ زمین پر گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہوگی - ہر ایک قوم کو اپنی شریعت کی طرف بلایا جائے گا - اُس دن تمہارے اعمال کے مطابق جزا دی جائیگی ۔"

قیامت اور خدا تعالیٰ کے حضور اعمالنامہ پیش ہونے پر استفسارات اور اسکے مطابق جزا و سزا کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے حضور مختلف جماعتیں اور گروہ جھکے ہوئے ہوں گے اور عاجزی کا اظہار کریں گے۔

اس سورۃ میں خدائی وحی کی صداقت اور حقانیت پیش کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یوم الدّین جزاء و سزا کا دن یوم حق ہے۔ آیت كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا میں کتاب سے مراد اعمالنامہ ہے۔ اس سورۃ کا اختتام ان الفاظ پر کیا گیا ہے :-

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

"اور اُسی اللہ کے لئے آسمانوں اور زمین میں بڑھائی ہے اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔"

(۴۶) سُوْرَۃُ الاحقاف

عربی زبان میں الحِقْفُ کے معنے ما اعوج من الرمل واستطال - ریت کا تودہ جو مستطیل صورت کا اور ٹیڑھا ہو - الرمل المائل ریت کا جھکنے والا ٹیلہ - اس کی جمع احقاف - حقوف - حقاف - حقفۃ اور جمع الجمع حقائف ہے - جغرافیائی لحاظ سے بلاد الاحقاف یمامہ، عمان، بحرین، حضرموت اور مغربی یمن کے درمیان میں واقع ہیں جو صحرائے اعظم اور الاحساء اور ربع خالی کے نام سے بھی موسوم ہے۔ قوم عاد کے وقت یہ علاقہ اور اس کے مضافات ترقی یافتہ تھے۔

عہد قدیم میں حضرموت اور نجران کے درمیانی حصہ میں عاد روم کا مشہور قبیلہ آباد تھا جس کو خدا نے اس کی نافرمانی کی پاداش میں نیست و نابود کر دیا۔ اس سورۃ کا نام اس آیت سے لیا گیا ہے :-

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ط اِذْ اَنْذَرَ
قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ
النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ
خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ط
اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ
يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝

"اور اے نبی! عاد کے بھائی (ھُودؑ) کو بھی

یاد کر جب اُس نے اپنی قوم کو احقاف میں
ڈرایا تھا۔ اور ہُودؑ نبی سے پہلے بھی کئی انبیاء
گزر چکے ہیں اور اس کے بعد بھی ظاہر ہوئے
اور وہ سب یہی تعلیم دیتے تھے کہ سوائے
اللہ کے اور کسی کی عبادت نہ کرو میں تم پر
ایک بڑے دن کے عذاب کے آنے سے
ڈرتا ہوں۔"

قوم عاد نے حضرت ہود علیہ السلام کی تعلیمات کو توجہ سے نہ سُنا بلکہ استہزاء اور تکذیب کرنی شروع کر دی۔ ان کو تنگ کیا، ان سے اعراض کیا۔ خدا تعالیٰ نے اس نافرمانی کی سزا میں ان کو تباہ کر دیا ان کی تباہی کا ذکر یوں کیا گیا ہے :۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ
اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ
مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ
بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○
تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا
فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ
كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ○

عاد نے اپنے وقت کے نبی کی تکذیب کی جس کے نتیجہ میں خطرناک تیز ہوا جو آٹھ دن تک بلا وقفہ چلتی رہی جس سے ان کی بربادی واقع ہوئی۔ قوم عاد کے مکانات تباہ ہو گئے اور تیز طوفان کے باعث انکے آثارِ آبادی اور شہر ریت کے تودوں میں دب گئے اور یہ علاقہ الاحقاف کہلایا یعنی ٹیلے ہی ٹیلے ہو گئے۔

(۴۷) سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ

اِس سورۃ کا نام محمدؐ اِس آیت سے ماخوذ ہے :۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ
عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ
بَالَهُمْ ○

اِس آیت کریمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "الحق" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور آپؐ پر نازل ہونے والے کلام الٰہی کو بھی الحق ٹھہرایا ہے۔

حق کے معنے ہر وہ چیز جو باطل کی ضد ہو۔ اہل لغت نے اِس لفظ کے ایک معنے "انصاف" کے بھی کئے ہیں۔ اِس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی طرف سے مخلوقِ خدا کے لئے ہر باطل اور لغو امر کے سامنے سینہ سپر ہیں۔ اور معاشرہ میں ہر وہ چیز جو باطل ہے اس کا علاج آنحضرتؐ کی ذات میں ہے کیونکہ آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے صحیح اور مبنی بر حقیقت امور کی اشاعت کے لئے آئے ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ خدا تعالیٰ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ مومنوں کی بدیوں کو ڈھانپ دیگا۔ لفظ سیّئۃ ہر وہ چیز جو ناپسندیدہ ہو اور اطمینان میں خلل ڈالے اس پر بولا جاتا ہے۔ اور پھر فرمایا وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ اور ان کے جملہ حالات درست کر دیگا۔ عدل و انصاف کی اشاعت کے لئے

آنحضرتؐ مبعوث ہوئے ہیں اسلئے اے مسلمانو! آنحضرت کی ذات مبارک کو اسلامی معاشرہ میں قندیل بناؤ۔ اس کے بغیر حصولِ اطمینان ناممکن ہے۔ چنانچہ اس سورۃ کے اختتام پر فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۝

اے ایماندارو! اللہ اور اس کے اس کامل رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔“

(۴۸) سُورَةُ الفَتح

اس سورۃ کا آغاز اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا کی آیت سے ہوتا ہے۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بشارت دی گئی ہے کہ ہم نے تجھ کو ایک فتح مبین دی ہے۔ ایسی فتح جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے اس لئے وہ نمایاں اور روشن فتح ہے۔ یہ آیت صلح حدیبیہ کے متعلق ہے۔ صلح حدیبیہ جنگِ احزاب کے ایک سال بعد سنہ ۶ ھ میں ہوئی۔ صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی بعض شرائط بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں مگر ان میں بھی درپردہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مصلحت تھی اور اسلام کی ترقی و فتح کے لئے راستے کھل گئے۔ قرآن کریم نے اس صلح کو فتح مبین قرار دیا ہے اور بتایا کہ اسلام کی محبت و الفت دلوں میں جاگزیں ہوگی۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب آنحضرتؐ مدینہ واپس تشریف لا رہے تھے تو اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا کی آیات نازل ہوئیں۔ اس صلح کی وجہ سے بہت حد تک امن قائم ہوگیا۔ مسلمانوں اور کفار کے معاشرتی تعلقات میں کافی حد تک اعتدال اور خوشگواری ہوگئی۔ تبلیغ اسلام کے لئے راستہ صاف ہوگیا اور کئی غلط فہمیاں دور ہوگئیں اور لوگ کثرت سے آغوشِ اسلام میں آنے شروع ہوگئے۔ انتہائی مشکلات کے باوجود اسلام کی ترقی ہونے لگی اور اس صلح حدیبیہ نے مستشرقین کا یہ اعتراض کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے بالکل رد کر دیا۔ صلح حدیبیہ کے بعد ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بادشاہوں کو تبلیغی خطوط ارسال فرمائے اور ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ قیصر روم، مقوقس شاہ مصر، نجاشی شاہ حبشہ، کسریٰ شاہ ایران وغیرہم کو خطوط تحریر کئے گئے۔ یہ صلح حدیبیہ اسلام کی عظیم فتح تھی۔ اس سورۃ میں بتلایا گیا ہے کہ اسلام تمام مذاہب عالم پر غالب ہو کر رہے گا۔ فرمایا:۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝

(۴۹) سُورَةُ الحُجُرات

حجرات، حجرۃ کی جمع ہے۔ اس کے

معنے الغُرفۃ کمرہ کے ہوتے ہیں۔ اس سورۃ کا نام
پانچویں آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ
وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ○
سے ماخوذ ہے یعنی وہ لوگ جو کمروں کے پیچھے سے
تجھے آواز دیتے ہیں اکثر اُن میں سے بے سمجھ ہیں۔
بعض تمام صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے ملنے آتے تو گھر سے باہر ہی دیواروں کے
پیچھے سے آپؐ کو آوازیں دیتے۔ خدا تعالیٰ نے اس
سے منع فرمایا اور فرمایا کہ یہ طریق ادبِ رسول کے
خلاف ہے۔ آخر رسول کو شرفِ انسانیت حاصل
ہے اور گھریلو کام اور فرائض بھی سرانجام دینے پڑتے
ہیں۔ اس سورۃ میں آنحضرتؐ کی مکمل اطاعت کی
تلقین کی ہے اور حضورؐ کی نافرمانی سے ڈرایا ہے۔
اخوتِ اسلامیہ کی اہمیت کو بیان کیا ہے۔ جہاد
بالمال اور جہاد بالنفس کی پُرزور تلقین فرمائی ہے۔
اور اختتام پر فرمایا۔

اَللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○

خدا تعالیٰ تمہارے اعمال کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے۔

(۵۰) سُوْرَۃُ قٓ

لفظ قٓ مقطعات میں سے ہے اور اس سے
قادر خدا مراد لیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ قٓ وَالْقُرْاٰنِ
الْمَجِیْدِ ○ یعنی قادر خدا اس سورۃ کا نازل کرنے
والا ہے۔ ہم اس بزرگی والے قرآن کو بطور شہادت
کے پیش کرتے ہیں۔ سورۃ الفتح میں دینِ اسلام کا
تمام ادیان پر غلبہ کا وعدہ ذکر کیا گیا تھا اور اس سورۃ
قٓ میں اس کا عملی پہلو ذکر کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ اسلام
کا غلبہ لانے پر قادر ہے اور ساتھ ہی اس غلبہ کا بنیادی
وسیلہ قرآن مجید کو قرار دیا گیا ہے چنانچہ فرمایا:۔

فَذَکِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ ○
"تو اس قرآن کے ساتھ نصیحت کر انکو جو
میرے عذاب کی پیشگوئی سے ڈرتے ہیں۔"

(۵۱) سُوْرَۃُ الذّٰرِیٰتِ

لفظ ذاریت کے معنے اُڑانے والیوں
کے ہیں۔ کہتے ہیں ذَرَتِ الرِّیْحُ التُّرَابَ: اَطَارَتْہُ
وَفَرَّقَتْہُ۔ ہوا نے مٹی کو اُڑا دیا اور اسکو الگ الگ
کر دیا۔ وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا کے معنے ہوں گے ہم
ان ہواؤں کو شہادت کے طور پر پیش کرتے ہیں جو
بادلوں کو اُڑائے پھرتی ہیں۔
فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا۔ پھر بارش کا بوجھ اٹھاتی ہیں۔
فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا۔ پھر آہستگی کے ساتھ چلتی ہیں۔
فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا۔ اور آخر ہمارے
حکم یعنی بارش کو زمین میں تقسیم کر دیتی ہیں۔
اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ۔ تم سے جو
وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔
ان آیات میں خدا تعالیٰ نے لطیف استعارے
میں بیان فرمایا ہے کہ صحابہ کرامؓ اور ان کی تبلیغی مساعی
اُن ہواؤں سے مشابہت رکھتی ہے جو ایک جگہ سے
دوسری جگہ پہنچ جاتی ہیں اور ان کے اثرات و نتائج

ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ یہ اصحاب الرسول قرآن کریم
کے معارف کی بارش کو ہر جگہ برساتے ہیں اور اُن کے
تبلیغی نتائج خوشکن ہیں۔ اور اسلام کے غلبہ کے لئے
ان کی کوششیں کامیاب ہیں اور اکناف عالم میں
اسلام کی ہوا پھیل کر رہے گی اور اس خبر کو تم پوری
ہوتے دیکھو گے۔ اور ایسا ہی ہوا۔

(۵۲) سُورۃ الطُّور

طُور کے معنے پہاڑ کے ہیں اور یہاں طُور سے
مراد وہ پہاڑ ہے جو فلسطین میں ہے جہاں حضرت
موسیٰ پر کتاب نازل ہوئی تھی جس میں اسلام، قرآن کریم
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی واضح علامات
موجود ہیں۔ اس کا نام بھی الطُّور ہے۔ خدا تعالیٰ
فرماتا ہے:۔ وَالطُّوْرِ۔ میں طُور پہاڑ کو شہادت
کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ۔
اور اس لکھی ہوئی کتاب یعنی قرآن کریم کو شہادت
کے طور پر پیش کرتا ہوں۔

اس سورۃ میں مسلمانوں کو بتلایا گیا ہے کہ یہود
کو تبلیغ اسلام کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تورات
میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے متعلق
جو پیشگوئیاں ہیں اُن کو یہود تک تمام وسائل سے
پہنچائیں اور اُن پر اتمام حجت کریں۔ قرونِ وسطیٰ کے
مسلمانوں نے اس معاملہ میں انتہائی کوتاہی سے کام
لیا ہے۔ یہود پر اتمام حجت کر کے اُن کو لاجواب
کرنا چاہیئے تا وہ مسلمانوں کے سامنے علمی لحاظ سے
سر نہ اُٹھا سکیں۔ یہ ایک حقیقت ہے اور آج کے
واقعات اس حقیقت پر شہادت ناطقہ ہیں کہ آج یہود
مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں اور اس کے بالمقابل
تورات میں متعدد پیشگوئیاں آنحضرتؐ کی بعثت کے
متعلق موجود ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان بشارات
کا مطالعہ کیا جائے اور ان کے ذریعہ سے یہود پر اتمام
حجت کی جائے۔ خدا تعالیٰ کا طُور پہاڑ کو بطور شہادت
کے پیش کرنا در اصل عملی تقاضا کا مطالبہ کر رہا ہے۔

(۵۳) سُورۃ النجم

نجم کے معنے ستارہ کے ہوتے ہیں مفسرین
نے اس سورۃ میں وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى کی دو تفسیریں
کی ہیں:۔

۱۔ اعداءِ اسلام کا ستارۂ اقبال غروب ہونے
کو ہے۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ومحاسن
اور آپؐ کے مقاماتِ عالیہ کا ذکر اس سورۃ
میں کیا گیا ہے۔

اس لحاظ سے اس کے معنے یہ ہیں کہ ہم قرآن کریم کے
ہر حصہ کو بطور شہادت کے پیش کرتے ہیں کہ قرآن کا ہر
حصہ گواہ ہے کہ تمہارا ساتھی گمراہ نہیں ہوا اور نہ ہی
وہ بھٹکا ہوا ہے نیز یہ کہ آنحضرتؐ خواہش نفسانی سے
نہیں بولتے وہ وحی الٰہی سے بولتے ہیں۔

اس سورۃ کا مضمون دونوں مفہوموں پر مشتمل ہے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان فرما کر آپؐ کو

روشن ستارہ بیان کرنا مقصود ہے۔ قوم عاد، ثمود اور قوم نوحؑ کی تباہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور منکرین سے کہا گیا ہے کہ آنحضرت کی بعثت کے متعلق کسی قسم کا اختلاف نہ کرو کیونکہ هٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَىٰ۔ یہ پہلے ڈرانے والوں کی طرح ایک ڈرانے والا ہے۔ سب کی شناخت کے معیار یکساں ہیں۔ اختتام پر فرمایا فَاسْجُدُوا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوا۔ اللہ کے لئے سجدہ کرو اور اُسی کی عبادت کرو۔

(۵۴) سُورَةُ القَمَر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتویں سال ماہ محرم میں آپؐ کفار مکہ کی طرف سے تکالیف کے پیش نظر شعب ابی طالب میں (جو ایک پہاڑی درہ تھا) محصور ہو گئے اور یہ دن مسلمانوں کے لئے انتہائی تلخ تھے کیونکہ قریش مکہ نے مسلمانوں کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ آنحضرتؐ اس پہاڑی درہ میں تین سال تک محصور رہے بعض زعمائے قریش جو غیر معمولی دلیر اور غیور تھے ان کے قلوب میں اس طویل مدت کے بعد رشتہ داری اور انسانیت کے جذبات ہمدردی پیدا ہوئے جن میں سے قابل ذکر ہشام بن عمرو، مطعم بن عدی، زمعہ بن اسود اور ابو البختری ہیں۔ انہوں نے یہ معاملہ قوم کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ اس ظالمانہ معاہدہ کو جس کی بنا پر مسلمانوں کا بائیکاٹ کیا گیا ہے اب ختم کر دینا چاہئیے مطعم بن عدی نے زعمائے قریش کے اجتماع میں اس معاہدہ کو چاک کر دیا اور ابوجہل اور اس کے ہمنوا دیکھتے ہی رہ گئے۔ اس معاہدہ کو چاک کرنے کے بعد قریش کے بعض سرکردہ اشخاص اپنی قومی روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلحہ سے مسلح ہو کر ابی طالب کے پہاڑی درہ کے دروازہ پر آئے اور تلواروں کے زیر سایہ ان محصور صحابہؓ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر نکال لائے۔ یہ واقعہ بعثت نبوی کے دسویں سال میں ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کیا۔ ان کے اس مطالبہ میں استہزا اور استخفاف کا رنگ تھا۔ واقعہ شعب ابی طالب کے بعد آنحضرتؐ نے ان کو چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے کا معجزہ دکھایا۔ اس معجزہ کا ذکر قرآن شریف میں یوں آتا ہے:۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَإِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ○ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْا أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ○ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِّنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ○

بخاری و مسلم میں مروی ہے:۔

انّ اهل مكّة سألوا رسول الله صلى الله عليه وسلم

ان یریھم اٰیۃ فأراھم القمر شقتین حتّٰی رأوا حراء بینھما۔

کہ اہل مکہ نے آنحضرتؐ سے کوئی نشان دیکھنے کا مطالبہ کیا۔ اس پر آنحضرتؐ نے اُن کو چاند کے دو ٹکڑے کرکے دکھا دیا۔ یہاں تک کہ ان کو چاند کا ایک ٹکڑا حراء پہاڑی کے ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف نظر آتا تھا۔"

اِس حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند خدائی نصرت کے مطابق صرف دیکھنے والوں کو دو ٹکڑوں میں نظر آیا۔ اس کی تعبیر یہ تھی کہ اب عربوں کی قومی حکومت کا خاتمہ ہو رہا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدائی حکومت کا دَور شروع ہونے والا ہے۔

(۵۵) سُورَۃُ الرَّحْمٰن

اِس سورۃ کا آغاز اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ کے الفاظ سے ہوتا ہے اور اس کا بنیادی مضمون یہ ہے کہ قرآن کریم کا نزول محض صفتِ رحمانیت کا نتیجہ ہے۔ فرمایا اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ رحمٰن نے ہی قرآن سکھلایا ہے۔

خدائے رحمٰن کی نعمتوں کو شمار نہیں کیا جا سکتا چنانچہ شجر، حجر، چرند و پرند اور کائنات کی کئی نعمتوں کا اِس سورۃ میں ذکر کیا گیا ہے۔ رحمٰن خدا کی نعمتوں کا بیان اِس غرض کے لئے کیا گیا ہے تا جن و انس ہستی باری تعالیٰ پر ایمان لائیں اور اس کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر ادا کریں نہ کہ اس کی تکذیب کریں۔ اسلام کا اصل الاصول خدائے رحمٰن کی ذات پر ایمان ہے اور اسلامی احکام میں یہی رُوح جلوہ گر ہے۔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کے تکرار سے رحمٰن خدا کی عظمت کو بیان کرنا مقصود ہے جو اِس سورۃ کا بنیادی موضوع ہے۔

(۵۶) سُورَۃُ الوَاقِعَۃ

اِس سورۃ کا نام الواقعۃ پہلی آیت سے لیا گیا ہے:۔ اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَۃُ ۝ جب وہ بات جس کے اٹل ہونے کا فیصلہ ہے عملاً واقع ہو جائے گی۔"

لفظ الواقعۃ مؤنث ہے الواقع کی اور اس کے معانی شدید جنگ اور القیامۃ کے ہیں اور اِس واقع ہونیوالی گھڑی سے جزا و سزا کی گھڑی مراد لی گئی ہے جس کے متعلق دوسری آیت میں فرمایا لَیْسَ لِوَقْعَتِھَا کَاذِبَۃ یعنی اس کے واقع ہونے کو اپنے وقت سے ٹلانے والی کوئی چیز نہیں۔ یہ گھڑی بعض کو ذلیل کردیگی اور بعض کو عزت دیگی۔

۱۔ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ۔ دہنے ہاتھ والے
۲۔ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَۃِ۔ بائیں ہاتھ والے۔
۳۔ وَ السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ۔ ایک گروہ

نکل جانے والے مقربوں کا ہوگا۔ اور نیک لوگ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ، جنّت کی نعمتوں سے متمتّع ہوں گے اور اسکے بالمقابل اَصْحٰبُ الشِّمَالِ گرم پانیوں اور گرم ہواؤں میں رہیں گے۔

(۵۷) سُوْرَۃُ الْحَدِیْد

لفظ الحدید کے معروف معنے تو لوہے کے ہیں اور اس تلوار کو بھی الحدید کہتے ہیں جو تیز کاٹنے والی ہو۔ اس سورۃ کا نام اس آیت سے ماخوذ ہے:۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ
وَ اَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَ
وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ
بِالْقِسْطِ ج وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ
فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ
لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ
یَّنْصُرُہٗ وَرُسُلَہٗ بِالْغَیْبِ ط
اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۵

اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ انبیاء کی بعثت روشن اور واضح دلائلِ صداقت وحقانیت کے ساتھ ہوتی ہے اور اس میں انصاف کی تلقین ہوتی ہے لیکن جو لوگ حق اور انبیاء کا مقابلہ کرتے ہیں اور اور اُن کے پیروؤں کو قتل کرتے ہیں تو اُن کے مقابلہ پر دفاعی طور پر اور ظلم کو دُور کرنے کے لئے تلوار اٹھانی پڑتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے مظلوم مسلمانوں کو اس امر کی اجازت دی ہے کہ وہ بھی مقابلہ میں تلوار اُٹھائیں۔

(۵۸) سُوْرَۃُ الْمُجَادلۃ

اس سورۃ کا نام ایک مسلمان خاتون حضرت خولہؓ بنت ثعلبہ کے واقعہ سے لیا گیا ہے جس میں فرمایا ہے قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِھَا۔ اس خاتون نے اپنے خاوند کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ مجھے میرے خاوند نے کہا ہے:۔

اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ

کہ تو مجھ پر ایسی ہی ہے جیسے میری والدہ کی پُشت۔ یعنی تو مجھ پر حرام ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں اگر کسی عورت کو طلاق دینا اور اس سے تعلقات منقطع کرنا مقصود ہوتا تو یہ الفاظ کہکر فریقین کے درمیان تعلقات ختم ہو جاتے تھے لیکن اب تو نورِ اسلام کی کرنیں جگمگ جگمگ کر رہی تھیں اسلئے اس خاتون نے آنحضرتؐ سے استفسار کیا کہ اب مجھے کیا موقف اختیار کرنا چاہیئے اور اس نے واضح لفظوں میں کہا:۔

جب میری شادی ہوئی میں بھرپور جوانی میں تھی۔ میرا خاوند مجھ سے انتہائی محبت کرتا تھا لیکن اب میری عمر زیادہ ہوگئی ہے اور میرے بہت سے بچے ہیں۔ ان حالات میں اگر حضور پاک مجھ کو اس کے ساتھ رہنے کی اجازت دیدیں تو میں اور وہ زندگی گزار لیں گے۔

آنحضرتؐ نے اس پر جواباً فرمایا:۔
اس امر کے متعلق مجھ پر اللہ تعالیٰ نے ابھی

کوئی حکم نازل نہیں فرمایا مگر میں یہی سمجھتا ہوں کہ تو اس پر حرام ہو گئی ہے"۔

اس پر اس خاتون نے آنحضرت سے مجادلہ شروع کر دیا اور پُرسوز دعاؤں میں لگ گئی۔ خدا تعالیٰ نے اس کی آہ و بکا کو سُن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا

کے الفاظ میں وحی نازل کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون کو بُلوایا اور کہا :-

يَا خَوْلَةُ اَبْشِرِيْ

اے خولہ! تو خوش ہو جا۔

اُس نے دریافت کیا یا رسول اللہ! خیر کی خبر ہے؟ اس پر آنحضرت نے اس کو اس وحی سے اطلاع دی :-

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِيْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

اِن آیات کا یہ مطلب ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ماں کہہ بیٹھے تو وہ ماں نہیں ہو جاتی کیونکہ ماں تو وہی ہے جو اپنے بیٹے کو جنتی ہے۔ بیوی کو ایسا کہنا ناپسندیدہ اور بُری بات ہے اور اس فعل کی سزا خدا تعالیٰ نے یہ مقرر فرمائی ہے :-

۱۔ میاں بیوی کے درمیان اُس وقت تک ازدواجی تعلقات منقطع ہوں گے جب تک کہ ایک غلام آزاد نہ کیا جائے۔

۲۔ جس کو اس کی استطاعت نہ ہو وہ متواتر دو ماہ کے روزے رکھے مِن قبلِ اَن یتماسّا۔

۳۔ اور جو شخص اس کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

(۵۹) سُوْرَةُ الْحَشْرِ

الحَشْرُ کے معنے "اخراج الجماعة عن مقرّهم و ازعاجهم عنه الى الحرب" یعنی جلا وطنی اور جنگ۔ اِس سورۃ کا نام اِس آیت سے لیا گیا ہے :-

هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ
كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ
مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا
وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ
حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ
اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا
وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ
یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ
وَ اَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۗ
فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ ۝

وہ خدا ہی ہے جس نے اہل کتاب کافروں کو پہلی جنگ کے موقعہ پر اُن کے گھروں سے نکالا۔ تم خیال نہیں کرتے تھے کہ وہ نکلیں گے اور وہ بھی خیال کرتے تھے کہ ان کے قلعے اللہ کے مقابلہ میں اُن کو بچا لیں گے اور اللہ اُن کے پاس اُدھر سے آیا جدھر سے ان کو گمان تک نہ تھا اور اُن کے دلوں میں اُس نے رُعب ڈال دیا وہ اپنے گھروں کو کچھ تو اپنے ہاتھوں سے اور کچھ مومنوں کے ہاتھوں سے خراب کر رہے تھے۔ پس اے سمجھ بوجھ رکھنے والے لوگو! عبرت حاصل کرو۔"

ان آیات میں یہودی قبیلہ بنو نضیر سے جنگ کا ذکر اور اس کا انجام ذکر فرمایا ہے جو سنہ ۴ ہجری میں ہوئی تھی۔

(۶۰) سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ

اس سورۃ کا نام اس آیت سے لیا گیا ہے:-

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا
جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ
فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ
بِاِیْمَانِهِنَّ ۚ

"اے مومنو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو اُن کو اچھی طرح آزما لیا کرو۔ اللہ اُن کے ایمان کو خوب جانتا ہے۔"

اس سورۃ کا نزول حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کے واقعہ سے متعلق ہے۔ ایک عورت مدینہ میں آئی اور وہ اپنے آپ کو مہاجرہ کہتی تھی۔ اس نے اخلاص کا اظہار بھی کیا۔ جب وہ واپس جانے لگی تو حضرت حاطبؓ نے اس کو ایک خط بصیغۂ راز دیا کہ یہ میرے رشتہ داروں کو مکہ پہنچا دینا۔ اس خط میں انہوں نے اہل مکہ کو فتح مکہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاری کا ذکر کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سورہ الممتحنہ نازل ہوئی۔ آپؐ نے اس عورت کے تعاقب میں تین صحابی بھیجے۔ وہ عورت مل گئی، خط بھی نکل آیا۔ یہ خط آنحضرت کی خدمت میں لا کر پیش کر دیا گیا۔ آنحضرتؐ نے حضرت حاطبؓ کو بلوایا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ حضرت حاطبؓ نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! مہاجرین کے تو مکہ میں رشتہ دار

ہیں، تعلقات ہیں مگر میں قریش میں سے نہیں ہوں، اس لئے
میں نے اپنے رشتہ داروں کو بعض اطلاعات متعلق
حملہ وغیرہ چڑھائی کے متعلق اس عورت کے ہاتھ ارسال
کی تھیں تاکہ میں اُن کے ساتھ کوئی احسان کر دوں تاکہ
وہ میرے اقربا کو تنگ نہ کریں۔ میری نیت کفر یا ارتداد
کی ہرگز نہیں ہے۔ آنحضرتؐ نے حاطب رضؓ کے بیان کے
متعلق کہا کہ حاطب نے سچ کہا ہے اور آپ نے اس
کو معاف کر دیا کیونکہ اصل مقصد اس خط کا بصیغہ راز
ہی رہا اور دشمنوں تک یہ خط نہ پہنچا۔ خدا تعالیٰ نے
اس راز کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدی
تھی۔ انما الاعمال بالنیات۔

(۶۱) سُوْرَۃُ الصَّفِّ

اس سورۃ کا نام "الصّف" اس آیت کریمہ سے لیا گیا ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ
فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ
بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝

"اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو
اس کے رستہ میں متحد ہو کر لڑتے ہیں گویا
وہ ایک ایسی دیوار ہیں جس کی مضبوطی
کے لئے اس پر سیسہ پگھلا کر ڈالا گیا ہو۔"

اس سورۃ میں مسلمانوں کو اتحاد کی تلقین کرتے
ہوئے تبلیغ اسلام کی طرف خاص توجہ دلائی ہے۔ اس
کے لئے صف بستہ ہونے کا طریق امام سے وابستگی
بتایا ہے۔ آیت ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ
بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ
کُلِّہٖ سے جملہ مفسرین نے امام مہدی مسیح موعود کی
آمد بتائی ہے۔ یہ مامور آخری زمانہ میں اسلام کی کشتی
کو بھنور سے نکال کر کنارے لگائے گا اور اشاعتِ
قرآن کے جہاد کی تکمیل کے فریضہ کو ادا کرے گا۔ سو
خدا کے فضل سے جماعت احمدیہ اس موعود امام سے
وابستہ ہو کر اس فرض کو ادا کر رہی ہے۔ خدا نے
تمام فرزندانِ اسلام کو مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ
کی آواز پر لبیک کہنے کی تاکید فرمائی ہے۔

(۶۲) سُوْرَۃُ الْجُمُعَۃِ

اسلام میں روزانہ پانچ نمازیں فرض ہیں۔
ہفتہ میں ایک دن جمعہ کا ہوتا ہے۔ جمعہ کی نماز کا مقصد
یہ ہے کہ امام اور خطیب ہفتہ میں ایک دن غیر معمولی
اہتمام کے ساتھ ظہر کی چار رکعات کی بجائے دو رکعات
نماز پڑھائے اور اس نماز کے ساتھ خطبہ بھی دیا جائے
اس خطبہ میں وقت کے حالات کے مطابق مسلمانوں کو
تلقین کی جایا کرے تا مسلمانوں میں اتحاد باہمی محبت
پیدا ہو اور انہیں احکام قرآن اور احکام رسولؐ
کی اتباع کی تلقین کی جاتی رہا کرے۔ گویا جمعہ اپنے
تواتر اور تسلسل کے لحاظ سے ہفتہ میں ایک دن ایسی
عبادت کے لئے آتا ہے جس میں مسلمان ایک جگہ اکٹھے
ہوتے ہیں اور مواعظ حسنہ سے مستفید ہوتے ہیں۔
اس سورۃ کے دوسرے رکوع میں اس نمازِ
جمعہ کی اہمیت یوں بیان کی گئی ہے:۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِيَ
لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ
فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا
الْبَيْعَ ط

کیسا ہی ایمان افروز منظر ہے کہ عالم اسلام اس جمعہ کے دن ایک غیر معمولی اہتمام کے ساتھ غسل کر کے نماز کے لئے جوق در جوق آتے ہیں۔ صاف ستھرے کپڑے پہن کر حاضر ہوتے ہیں اور امام کا خطبہ سنتے ہیں۔

اسلام کی ترقی اور زندگی کا تعلق بہت حد تک جمعہ کے دن سے ہے۔ یہ مسلمانوں کی شوکت کے اظہار کا اور عید کا دن ہے۔ نماز جمعہ ایک ایسا فریضہ ہے جس کے لئے فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ کے الفاظ آئے ہیں یعنی تمام کام چھوڑ کر اس نماز کے لئے آؤ۔ امام کا خطبہ بھی نماز کا ہی حصہ ہے۔ سورۃ جمعہ کی آیۃ وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ کے الفاظ میں تیرھویں صدی کے (جیسا کہ اس کے حروف کے اعداد ۱۲۷۵ سے بھی ظاہر ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانیہ جو فنا فی الرسول کے وجود میں مقدر تھی خبر دی گئی ہے۔ یہ خبر اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وجود باجود میں پوری ہو گئی ہے۔

(۶۳) سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْن

اس سورۃ کا آغاز اس آیت سے ہوتا ہے:۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ
قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ
اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ
لَرَسُوْلُهٗ ط وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ
اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝

اس سورۃ میں منافقین کی بنیادی علامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ منافقوں کا لیڈر عبداللہ بن ابی بن سلول الخزرجی یہود کے سہارے پر کام کرتا تھا۔ منافقوں کے اس لیڈر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہی کہا تھا کہ اگر ہم مدینہ گئے تو

لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ

زیادہ عزت والا شخص یعنی وہ خود مدینہ کے سب سے ذلیل آدمی کو (معاذ اللہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو) اس سے نکال دے گا۔

خدا تعالیٰ نے ان کے اس قول کا جواب یہ دیا:۔

وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ
لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

عزت تو اللہ کے رسول اور مومنوں کو ہی حاصل ہے۔

(۶۴) سُوْرَةُ التَّغَابُن

اس سورۃ کا نام اس آیت سے لیا گیا ہے:۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ
ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ط

لفظ تغابن کے معنے اس کمی کے ہیں جو انسان

حقوق اللہ یا حقوق العباد میں دکھاتا ہے اور اس
میں اختصار کا پہلو غالب ہو۔ غبن بھی اسی سے ہے
کیونکہ اس میں انسان کسی کے مال میں اختصار سے کمی
کرتا ہے۔ یوم التغابن: یوم القیامۃ کے
معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی یوم التغابن
یوم القیامۃ کو اسلئے کہا جاتا ہے کہ اس دن اس
کمی اور غفلت کا ظہور ہوگا جو میت کے معاملہ میں
کی گئی ہو جس کا اشارہ اس آیت کریمہ میں پایا جاتا
ہے:۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ
ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ۔

یوم التغابن کے دوسرے معنے مفردات
میں یہ کئے گئے ہیں:۔ تبدو الاشیاء لھم
بخلاف مقادیرھم فی الدنیا۔ دنیا میں
جو کچھ ان منافقین کا اندازہ ہوگا اس کے بالکل
برعکس وہاں ظاہر ہوگا۔

(۶۵) سُوْرَةُ الطَّلَاق

اس سورۃ کا نام اس وجہ سے طلاق ہے
کہ اس میں طلاق کے احکام اور شرائط کا ذکر ہوا ہے۔
طلاق کے مضمون کو بیان کرتے ہوئے صنف نازک
کے ساتھ نرمی اور عمدہ سلوک اور حسن معاشرت کا
حکم دیا گیا ہے۔ اسلام نے طلاق کے مسائل بیان
کرکے عورت کی عفت و عصمت کو بھی قائم کیا ہے
اور ساتھ ہی اس سلسلہ میں جو مشکلات ہیں ان کا بھی
ازالہ کیا گیا ہے۔ نان و نفقہ، بچوں کی رضاعت
کے مسائل اس سورۃ میں بیان کئے گئے ہیں۔ اصولی
طور پر حضرت شارع علیہ السلام نے طلاق کے متعلق
اس رائے کا اظہار فرمایا ہے:۔

انّ ابغض الحلال الی اللہ
الطلاق۔

کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک حلال امور میں سے طلاق
بہت ہی ناپسندیدہ فعل ہے کیونکہ طلاق کا رواج
ہوجانے سے اخلاقی قدریں گر جاتی ہیں اور قسما قسم
کی جنسی خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ طلاق سوائے
اضطراری حالات کے اسلام میں پسندیدہ نہیں ہے۔

(۶۶) سُوْرَةُ التَّحْرِيْم

اس سورۃ کا نام التحریم اس آیت سے لیا گیا ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ
اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ
مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اے نبی! تو اس چیز کو کیوں حرام کرتا ہے
جس کو خدا نے تیرے لئے حلال کیا ہے۔ تو
اپنی بیویوں کی خوشی چاہتا ہے اور اللہ
بہت بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
کئی ازواج مطہرات تھیں آپ نے ایک دفعہ ایک
بیوی کے ہاں قیام کیا تو اس بیوی نے آپ کو شہد کا
شربت پلایا۔ آنحضرت کو شہد مرغوب تھا۔ دوسری

بیوی نے جس کو شہد سے کوئی خاص رغبت نہ تھی اُس نے آنحضرتؐ سے کہا کہ یا رسول اللہ آپ کے مُنہ سے تو بُو آرہی ہے۔ اس فقرہ کے سُننے سے آپؐ نے کہا کہ میں آئندہ شہد کا استعمال نہیں کروں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ شہد تو حلال چیز ہے اور خدا تعالےٰ نے اس کی تعریف کی ہے کسی بیوی کو خوش کرنے کیلئے اس کا ترک کرنا مناسب امر نہیں ہے بالخصوص اسلئے کہ آپ شارع نبی ہیں آپ کا عمل اُمّت کے لئے سُنّت قرار پائے گا۔

(۶۷) سُوْرَۃُ المُلک

لفظ المُلک کے معنے بادشاہت کے ہیں اور وہ جو ہر چیز پر قادر ہو۔ اس سورۃ کی پہلی آیت یوں ہے:۔

تَبٰرَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ
وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرُ ۝

وہی ذات بابرکت ہے جس کے ہاتھ میں بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

اس سورۃ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ کائنات کو اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو انسان یہی فیصلہ کریگا کہ اس کائنات کا مالک اور بادشاہ خدا تعالیٰ ہے نیز آسمان کی پیدائش اور ہر چیز کا وجود پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ بِيَدِهِ الْمُلْكُ اُسی کے ہاتھ میں بادشاہت ہے۔

اعمال کی جزا پر بحث کرکے بتلایا ہے کہ اعمال صالحہ کی جزا مغفرت اور اجر ہے لیکن وہ لوگ جو اعمال صالحہ کو نظر انداز کر دیتے ہیں ان کی جزا عذاب جہنّم ہے۔ خدا تعالیٰ کی ہر چیز میں حکمتیں اور اسرار ہیں اور اس میں کسی قسم کا نقص نہیں ہے۔ مَا تَرٰى فِىْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ط فَارْجِعِ الْبَصَرَ لا هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ۔ تُو خدائے رحمان کی پیدائش میں کسی قسم کا اختلاف نہ دیکھے گا پھر نظر کو دوبارہ لوٹا کر دیکھو اس میں کسی قسم کی خرابی نہیں ہے۔ آسمان کے ستاروں میں بھی خدا کی بادشاہت نظر آتی ہے۔

(۶۸) سُوْرَۃُ القَلَم

اس سورۃ کا نام سورۃ القلم ہے۔ خدا تعالےٰ نے اس سورۃ میں قلم اور سیاہی کو بطور حجت اور شہادت کے پیش فرمایا ہے کہ اہل قلم اور اہل فکر و نظر آنحضرتؐ کے اخلاقِ فاضلہ اور صفاتِ حمیدہ پر خراجِ تحسین پیش کریں گے اور اس وقت ان کی سیاہی اور قلم یہ لکھنے پر مجبور ہوگی کہ بانیٔ اسلام نہ تو مجنون تھے اور نہ ہی اپنے دعویٰ میں غلطی پر تھے۔ اس سورۃ کا ابتدائی مضمون ہی مخالفینِ رسولؐ پر حجتِ قاطعہ ہے۔ مخالفین کو بتلایا گیا ہے کہ تمہاری مخالفت نہ صرف اس زمانہ میں بلکہ اُس زمانہ میں بھی جب کہ قلم کا رواج ہوگا اکارت جائیگی اور زمانہ حال و قال سے یہ کہنے اور لکھنے پر مجبور ہوگا۔ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کہ اے محمدؐ! یقیناً آپ بلند اور عظیم اخلاق

کے حامل ہیں۔

لبنان کے عیسائی وزیر تعلیم سلیم بک نے خود اپنی تقریر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب میں چند تاریخی فقرے کہے تھے :-

"الرسول العربی فقیرٌ ولکنّہ غوثٌ لکلّ فقیرٍ۔ الرسول العربی یتیمٌ ولکنّہ ابٌ لکلّ یتیم۔ الرسول العربی اُمّیٌ ولکنّہ معلّم الفلاسفۃ والعباقرۃ والاکاسرۃ و القیاصرۃ۔"

یعنی رسول عربی خود تو فقیر ہیں لیکن آپ ہر فقیر کی مجسّم مدد ہیں۔ رسول عربی یتیم ہیں لیکن آپ ہر یتیم کے لئے بمنزلہ باپ کے ہیں۔ رسول عربی ناخواندہ ہیں لیکن آپ فلاسفروں اور اصحاب فکر و نظر کے استاد ہیں اور آپ قیصر و کسریٰ کی اقوام کے معلّم ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)

(۶۹) سُوْرَۃُ الحَاقَّۃ

الحاقّۃ کے معنی وہ صحیح خبر جو ضرور پوری ہونے والی ہے۔ لفظ الحاقۃ۔ الداھیۃ، النازلۃ، القیامۃ، مصیبت، بڑی مصیبت اور قیامت کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

اِس سورۃ میں بتلایا ہے کہ اقوامِ ثمود، عاد اور فرعون اسلئے صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّھِمْ کہ انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی۔ اِس نسبت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکذّبین کو تنبیہہ کی گئی ہے کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاؤ اور قرآن کے علوم پر غور کرو۔ فرمایا اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ۔ وہ یقیناً معزز رسول کے ذریعہ سے آنے والا کلام ہے۔ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ جہانوں کے رب کی طرف سے اُتارا گیا ہے۔ اور اگر یہ مدّعی رسالت اپنے دعویٰ میں مفتری ہوتا لَاَخَذْنَا مِنْہُ بِالْیَمِیْنِ۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْہُ الْوَتِیْنَ تو ہم اسکو پکڑ لیتے اور اس کی شاہ رگ کاٹ دیتے۔ یہ معیار جملہ نبیوں کے پرکھنے کا اہم اور زبردست معیار ہے۔

(۷۰) سُوْرَۃُ المَعَارِج

اِس سورۃ کا نام آیت مِّنَ اللّٰہِ ذِی الْمَعَارِجِ ؀ سے لیا گیا ہے۔ لفظ مَعَارِج جمع ہے۔ اِس آیت میں خدا تعالیٰ کے اسماء میں ایک نام ذِی المَعَارِج بیان ہوا ہے۔ ذوالمعارج کے معنے ہیں وہ ہستی جس کے پاس بلند درجات ہیں۔ اِس سورۃ میں خدا تعالیٰ نے مومنوں کی ان بلند و بالا صفات کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے وہ بلند درجات اور مراتب حاصل کر سکتے ہیں۔

(۷۱) سُوْرَۃُ نُوْح

اِس سورۃ کو حضرت نوح علیہ السلام کے

ذکر سے شروع کیا گیا ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ حضرت نوحؑ کی بعثت دریائے دجلہ اور فرات کے علاقہ میں ہوئی۔

سورۃ کا بنیادی مضمون یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ہر رنگ میں پیغام الہٰی پہنچایا۔ آخر کار حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کے اعراض اور اُن کی تکذیب سے سخت تکلیف میں تھے کہ حضرت نوحؑ نے باذنِ الہٰی یہ دعا کی اور کہا:-

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ○

"اے میرے رب! زمین پر کفار میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑیو"

یہ آیت کریمہ بتلاتی ہے کہ قوم نوحؑ شرارت اور بغاوت میں اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ اگر ان کو تباہ نہ کیا جاتا تو باطل ترقی کرتا اور حق مٹ جاتا۔

حق و صداقت کی اشاعت کے لئے خدا تعالیٰ نے قوم نوحؑ کو تباہ کر دیا۔

(۷۲) سُوْرَةُ الْجِنّ

اس سورۃ کی پہلی آیت میں جنوں کا ذکر ہے فرمایا:-

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ○

"اے رسول! کہہ دے کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ جنوں میں سے کچھ افراد نے قرآن سُنا اور انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سُنا ہے"

لفظ جِنّ کے متعلق اصولی طور پر از روئے لغت یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ جس جگہ ج اور ن کا مادہ اکٹھا ہو جائے وہاں اس کے مفہوم میں کسی پوشیدہ چیز کا ہونا مراد ہوتا ہے۔ حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:-

(الف) "قرآن کریم کی کئی آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے سوا اور ہستی ہے جسے جِنّ کہا جاتا ہے مگر قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جِنّ سے مراد بسا اوقات انسان بھی ہوتے ہیں ۔ ۔ ۔ میرے نزدیک جِنّ انسان بھی ہیں اور علیحدہ ہستی بھی رکھتے ہیں مگر وہ ایسی ہستی ہیں کہ اُن کا انسانوں سے کوئی ایسا تعلق نہیں رکھتا جیسا کہ لوگ خیال کرتے ہیں"

(ب) پھر سورۃ الجِنّ کی آیت کے بارے میں فرمایا:-

"یہاں انسان جِنّ مراد ہیں نصیبین جو یمن میں ہے وہاں سے کچھ عیسائی آئے تھے"

(الفضل یکم مئی سنہ ۱۹۲۶ء)

(۷۳) سُوْرَۃُ الْمُزَّمِّل

لفظ المزمّل کے معنے چادر اوڑھنے والے اور خدا کی رحمت کا انتظار کرنے والے کے ہیں۔ اس سورۃ میں آنحضرتؐ کو یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ کے الفاظ سے پکارا گیا ہے۔ یہ پیار اور محبت کے الفاظ ہیں۔

اسلام میں پانچ فرض نمازوں کے علاوہ کچھ نفلی عبادات بھی ہیں ان میں سے ایک تہجد کی نماز ہے تہجد کی نماز کا تعلق نفس کے جہاد سے ہے۔ فرمایا۔ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا ○ رات کو بیدار ہونا نفس کے مارنے کا کامیاب ذریعہ ہے اور صبح کی عبادت کے لئے بھی مضبوط وسیلہ ہے

(۷۴) سُوْرَۃُ الْمُدَّثِّر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی وحی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ نازل ہوئی تو آپؐ پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ آپؐ نے خود اس کا اظہار حضرت خدیجہؓ کے سامنے یوں بیان کیا:۔ لقد خشیتُ علی نفسی۔ مجھے تو اپنے نفس کے متعلق ڈر پیدا ہو گیا ہے۔ اس موقعہ پر حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو تسلی دیتے ہوئے کہا:۔

لا یُخزِیكَ اللّٰہُ ابدًا

اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو پُر شوکت الفاظ میں حکم دیا:۔

یٰۤاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ○ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ○

اس مبارک وحی کے بعد جس کا انداز بیان محبت بھرے حکم کا رنگ رکھتا ہے۔ آپؐ نے سلسلہ تبلیغ شروع کر دیا۔ آپؐ نے پورے اطمینان سے شرک کے خلاف تلقین شروع کر دی۔

(۷۵) سُوْرَۃُ الْقِیَامَة

اس سورۃ کی پہلی آیت میں قیامت کو بطور شہادت کے پیش کیا گیا ہے۔ فرمایا:۔ لَاۤ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ۔ میں قیامت کے وقت کی قسم کھاتا ہوں۔ اور پھر فرمایا یَسْئَلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ۔ انسان پوچھتا رہتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہوگا؟

قیامت کے معنے کئی ہیں۔ نبی روحانی لحاظ سے ایک قیامت لیکر آتا ہے۔ دنیا میں اس کی آمد پر ایک غلغلہ بلند ہوتا ہے۔ نیک لوگوں کے لئے نبی کی آمد تعمیری اور خوشکن قیامت ہوتی ہے۔

وہ زندگی جو انسان کو بعد الموت ملتی ہے جس کے نتیجے میں اعمال صالحہ بجا لانے والوں کو جنتی زندگی ملے گی اور بُرے اعمال کرنیوالوں کو جہنّم کی زندگی ملے گی۔ اس نتیجہ کا ظاہر ہونا بھی قیامت ہے۔

اِس سورۃ میں ایک اہم پیشگوئی کا بھی ذکر کیا گیا ہے :- جُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ سورج اور چاند دونوں کو (خسوف کی حالت میں) جمع کر دیا جائے گا۔ اسی پیشگوئی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ذکر فرمایا ہے :-

اِنَّ لمھدیّنا اٰیتَیْنِ لم
تکونا مُنذُ خلقِ السّمٰوٰتِ
والارض ینخسف القمرُ
لاوّلِ لَیلۃٍ مِن رَمَضانَ۔
وتَنکَسِفُ الشمسُ فی
النصف منہ۔

(دارقطنی جلد اوّل ص۱۸۸)

ہمارے مہدی کے دو نشان ہیں جو زمین و آسمان کی پیدائش سے اب تک اِس طرح ظاہر نہیں ہوئے۔ اوّل چاند کو گرہن ہو گا رمضان میں پہلی رات کو (یعنی ۱۳ ہجری) اور دوم سورج گرہن ہو گا درمیانی تاریخ یعنی ۲۸ کو۔ چنانچہ ۱۳۱۱ ہجری ۱۸۹۴ء کے ماہِ رمضان میں چاند کو ۱۳ تاریخ اور سورج کو ۲۸ تاریخ کو گرہن لگ چکے ہیں۔ یہی وہ وقت ہے جس میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوا۔ آپؑ کے آنے سے بھی ایک مذہبی قیامت برپا ہوئی۔

(۷۶) سُورَۃُ الدَّھر

اس سورۃ کی پہلی آیت میں فرمایا :- ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا۔ یقیناً انسان پر ایک ایسا وقت آیا جبکہ وہ قابلِ ذکر بھی نہ تھا۔

اِس سورۃ کا دوسرا نام الانسان بھی آیا ہے۔ زمانہ سے فائدہ اسی صورت میں اُٹھایا جا سکتا ہے کہ انسان اپنی پیدائش کی غرض کو مدّنظر رکھے اور خدا تعالیٰ کی رضا کے ماتحت زندگی بسر کرے۔ زمانہ تو سراسر برکات کا نام ہے۔ یہ سورۃ محاسبہ نفس کے لئے بہترین تریاق ہے۔

(۷۷) سُوْرَۃُ الْمُرْسَلٰت

لفظ المُرسلٰت کے معنے چلائی گئی جماعتوں کے ہیں۔ فرمایا میں بطور گواہ کے ان جماعتوں کو پیش کرتا ہوں جو نیکی کی اشاعت کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی ہیں اُن کے ساتھ نصرتِ الٰہی اور فضلِ ربانی شامل ہے۔ المُرسلٰت کے لغت میں معنے الرّیاح ۔ الملائکۃ ۔ الخیل۔ ہوائیں، فرشتے اور گھوڑوں کے بھی ہیں۔

فرشتے غیر مرئی چیزیں ہیں۔ ہواؤں کا یہاں ظاہری رابطہ نہیں ہے اسلئے یہاں صحابہؓ کی وہ جماعتیں مراد ہیں جو گھوڑوں پر سوار ہو کر جہاد کے لئے نکلتی تھیں اور اشاعتِ اسلام کے لئے قریہ قریہ جاکر اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام کی ندا بلند کرتی تھیں۔ اگر آج اِس سنّتِ رسولؐ پر عمل کیا جاتا جس کا نمونہ صحابہ کرامؓ نے پیش کیا تو آج شرک و کفر کی طاقت پاش پاش ہو جاتی۔ اسوقت جماعت احمدیہ اس مبارک مقصد کیلئے کام کر رہی ہے۔

(۷۸) سُوْرَۃُ النَّبَا

لفظ النبأ کے معنے امام راغب یوں تحریر کرتے ہیں :۔ النبأ خبرٌ ذو فائدۃ عظیمۃ۔ نبأ ایسی خبر کو کہتے ہیں جو بہت فائدہ والی ہو اور علامہ ابو البقاء نے تحریر کیا ہے:۔ النبأ والانباء لم یرد فی القرآن الّا لما لہٗ وقع وشان عظیم۔ یعنی قرآن کریم میں نبأٌ اور اَنْبَاءٌ کا لفظ اِس صورت میں استعمال ہوا ہے جب اس خبر کی عظیم شان اور اہمیت ہو۔

اس سورۃ کے آغاز میں اسلوب استفہامی اختیار کر کے معاندین اسلام کو پُر شوکت الفاظ میں بتلا دیا گیا ہے کہ غلبۂ اسلام ہو کر رہے گا اور قرآن کریم کی حقانیت ثابت ہو کر رہے گی اور بعث بعد الموت ایک حقیقت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّتِ عظیمہ بھی ایک النّباء تھی جس میں کفارِ مکہ نے باہمی اختلاف کیا اور ہر جگہ اسکے متعلق چرچا تھا۔

(۷۹) سُوْرَۃُ النّٰزِعٰت

لفظ نزع کے معنے کھینچنا اور کسی چیز کو اپنی جگہ سے نکال لینے کے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں: نزع القوس۔ کمان کو کھینچا۔ ینزع الیہ نزاعاً۔ یعنی جب وہ کسی سے محبت و اشتیاق کا اظہار کرے۔ نَازِعٌ تیر چلانے والے کو کہا جاتا ہے۔

اِس سورۃ کا نام النّٰزِعٰت پہلی آیت کے لفظ سے لیا گیا ہے اور اس نام کے رکھنے کی وجہ سورۃ کے مندرجات سے یہ ہے کہ خواہشاتِ نفسانی، جذبات و احساسات کو چھوڑنے والا ہی روحانیت کے اعلیٰ منازل کو حاصل کر سکتا ہے۔ اس سورۃ میں ان اعلیٰ صفات کو بیان کیا گیا ہے جو مسلمانوں کی ترقی کے لئے ضروری تھا ہیں اور جن کے بغیر کامیابی نہیں ہو سکتی۔

(۸۰) سُوْرَۃُ عَبَسَ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ابتدائی سالوں میں ایک مرتبہ زعماء قریش آپ کے پاس موجود تھے اور حضورؐ ان کو اپنے دعویٰ رسالت اور اسلام کی تبلیغ فرما رہے تھے ان زعماء میں عتبہ، شیبہ اور ابوجہل بھی تھے۔ اس وقت باہر سے حضرت عبداللہؓ بن ام مکتوم آ گئے۔ وہ نابینا تھے اور اخلاص و فدائیت میں مثال رکھتے تھے۔ اس مخلص جاں نثار صحابی نے آنحضرتؐ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ اس پر کافر زعماء نے اس بات کو ناپسند کیا اور اعتراض کیا کہ آپ کے پاس ایک نابینا شخص آیا۔ بعض بزرگ مفسرین نے [illegible] کا فاعل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا ہے کیونکہ آپؐ اس نادر تبلیغی موقعہ کے ضائع ہونے پر رنج محسوس کرتے تھے جو آپؐ کے چہرہ پر ظاہر ہو گیا مگر حضرت عبداللہؓ پر اس کا کوئی اثر نہ تھا۔

(۸۱) سُوْرَۃُ التَّکْوِیْر

لفظ کُوِّرَتْ کے معنے [illegible]

کسی چیز کا کمزور ہو جانا اور روشنی کا ماند پڑ جانا۔ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ۔ قرآن کریم میں آنحضرتؐ کو شمس کہا گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب مسلمان حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو پسِ پشت ڈال دیں گے تو آخری زمانہ ہوگا اور بعد ازاں قیامت کا ظہور ہوگا۔ اِس سورۃ میں بیان شدہ علامات پہاڑوں کو سیرگاہ بنایا جائے گا۔ بڑی بڑی سلطنتوں کا زوال اور اونٹوں کی جگہ نئی نئی تیز رفتار سواریوں کا پیدا ہونا آخری زمانہ اور مسیح موعودؑ کے ظہور کی علامات ہیں۔

(۸۲) سُوْرَۃُ الانفطار

اِنْفَطَرَ کے معنے ہیں اِنْشَقَّ۔ انفطرت الارض بالنبات: تَصَدَّعَتْ بِہٖ واخرجتہ۔ انفطر القضیب بدأ نبات ورقہ یعنی کسی پوشیدہ چیز کا ظاہر ہونا، زمین کا روئیدگی نکالنا، جبکہ زمین پھٹ جاتی ہے، کسی شاخ کے پتوں کا نکلنا۔

اِس سورۃ میں آخری زمانہ میں رُونما ہونیوالے واقعات کا ذکر ہے۔ اس لحاظ سے اس کا نام الانفطار ہے۔ اور یہ وہ حقائق ہیں جن کی پیشگوئی آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن کریم نے کی تھی اور وہ پورے ہو رہے ہیں۔

(۸۳) سُوْرَۃُ التطفیف

اِس سورۃ کا آغاز وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ سے ہوتا ہے۔ عربی زبان میں تطفیف کے معنے معاملات یا حقوق کی ادائیگی میں کمی کرنا اور کمزوری دکھانا کے ہوتے ہیں۔ اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں ماپ اور تول میں کمی کا ذکر ہے۔ ان حقوق العباد کا ذکر ہے جن کا تعلق باہمی معاملات سے ہے۔ وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ کے وسیع معنوں کے رُو سے اس میں وہ تمام ملازم، کارکن اور جملہ مزدور وغیرہم بھی شامل ہیں جو حقوق تو پورے لیتے ہیں لیکن اپنے فرائض پوری طرح ادا نہیں کرتے۔

(۸۴) سُوْرَۃُ الانشقاق

انشقاق کے معنے کسی چیز کے پھٹنے اور باہر نکلنے کے ہیں۔ آیت اذا السماء انشقّت (جب آسمان پھٹ جائے) سے اِس سورۃ کا نام ماخوذ ہے۔

(۸۵) سُوْرَۃُ البُرُوج

اِس سورۃ کا نام آیت وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ سے ماخوذ ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ مجھے قسم ہے بُرجوں والے آسمان کی۔ علم ہیئت کی رُو سے بارہ (۱۲) بروج ہیں اور اس سے مراد وہ مجدّدین ہیں جنہوں نے اسلام کے آسمان کو روشن کیا۔ اُن کی نیکی تقویٰ اور اُن کی مساعی اشاعتِ اسلام کے لئے وقف تھیں۔ تاریخ اسلام اُن کے کارہائے نمایاں سے منوّر ہے۔ وَالْیَوْمِ الْمَوْعُوْدِ سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں جو بارہ (۱۲) مجدّدین کے بعد مبعوث ہوئے جن کے متعلق آنحضرتؐ کا ارشادِ مبارک ہے کہ جب خلیفۃ اللہ المہدی

کا ظہور ہو تو اُن کو میری طرف سے سلام پہنچا دیا جائے اور اُن کی بیعت کی جائے ولو حبوا علی الثلج چاہے تم کو گھٹنوں کے بل برف کے تودوں پر چل کر جانا پڑے۔

(۸۶) سُوْرَۃُ الطَّارِق

اِس سورۃ کا نام پہلی آیت وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ سے لیا گیا ہے۔ لفظ الطارق کے معنے ہیں کوکب الصُّبح۔ صبح کا ستارہ۔ الآتی لیلاً رات کو آنیوالا شخص جو دروازہ پر دستک دیتا ہے۔ مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا اسکے مصداق حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں۔

(۸۷) سُوْرَۃُ الاَعْلٰی

اِس سورۃ کی پہلی آیت میں خدا تعالیٰ کے اسم الاعلیٰ کا ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی۔ کہ اے رسول! تو اپنے رب کی پاکیزگی بیان کر جو بزرگ و برتر ہے۔ اِس سورۃ میں بتلایا گیا ہے کہ بلند مقام حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان تسبیح، تحمید اور ذکرِ الٰہی کرے۔

(۸۸) سُوْرَۃُ الغَاشِیَۃ

غاشیۃ کے معنے۔ الغطاء۔ پردہ۔ القیامۃ۔ الداھیۃ۔ مصیبت۔ پیٹ کی ایک بیماری کا بھی نام ہے۔ اِس سورۃ کا آغاز هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ سے ہوتا ہے کہ کیا تجھ کو دنیا پر چھا جانے والی مصیبت کی خبر پہنچی ہے؟ اس کے بعد اس غاشیۃ کی تفصیل بیان کی گئی ہے کہ وہ لوگ جو اپنے نفس کی اصلاح نہیں کرتے اور ہر وقت اور ہر آن اس سے غافل رہتے ہیں اُن کا انجام خدا تعالیٰ کے حضور قیامت کے دن یہ ہوگا کہ وہ شدید عذاب میں مبتلا ہونگے۔

(۸۹) سُوْرَۃُ الفَجْر

اِس سورۃ کی ابتداء وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝ وَاللَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝ کی آیات سے ہوتی ہے۔ یعنی میں ایک آنے والی فجر کو بطور شہادت کے پیش کرتا ہوں۔ اور دس راتوں کو بھی اور ایک جفت اور ایک وتر کو اور اس رات کو بھی جب وہ چل پڑے۔

سورۃ الفجر کے نزول کے بعد تقریباً دس سال آنحضرتؐ نے مکہ میں قیام کیا اور یہ وقت آپؐ کے لئے انتہائی تکالیف کا تھا۔ عربی محاورہ کے مطابق اس تاریک وقت کو رات سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس مدت کے بعد آپؐ نے باذنِ الٰہی ہجرت فرمائی اور اس ہجرت میں آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ بھی تھے اور خدا تعالیٰ کی نصرت شاملِ حال تھی اور آنحضرتؐ نے غارِ ثور میں پناہ لی تھی اس واقعہ میں جفت اور [illegible]

(۹۰) سُوْرَۃُ البَلَد

البلد کے معنے شہر اور علاقہ کے ہوتے

ہیں اور اس سے مراد مکہ معظمہ ہے۔ اس جگہ بطور پیشگوئی یہ امر بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شہر سے ہجرت کرنی پڑے گی اور پھر خدا تعالیٰ اپنی خاص نصرت و تائید سے آپ کو دوبارہ اس شہر میں لائے گا۔ یہ پیشگوئی آفتاب نیمروز کی طرح پوری ہو چکی ہے۔

(۹۱) سُورَةُ الشَّمس

اس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آفتاب سے تشبیہ دی گئی ہے۔ آپ آفتاب نبوت ہیں۔ ایسے آفتاب جس کو قرآن کریم نے رحمۃً لِّلعَالَمِین کے عظیم خطاب ولقب سے نوازا ہے۔ آپ کے صفاتِ عالیہ اور مناقب عظیمہ نے تاریکیوں کو دور کر دیا۔ خدا تعالےٰ نے اس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ باجود کو اسلام کی صداقت و حقانیت میں گواہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ آیت وَالشَّمسِ وَضُحٰـهَا سے سورۃ کا نام لیا گیا ہے۔

(۹۲) سُورَةُ اللَّيل

لَیل کے معنے رات کے ہوتے ہیں جب کہ ہر طرف تاریکی اور جمود ہوتا ہے۔ اور وَاللَّیلِ کے بعد وَالنَّهَارِ کا ذکر کر کے کفر اور ایمان کا موازنہ کیا گیا ہے۔ سورۃ کا بنیادی مضمون یہ ہے کہ اسلام کی نورانی کرنوں سے کفر کی تاریکی دن کی صورت میں تبدیل ہو جائے گی۔

(۹۳) سُورَةُ الضُّحٰی

الضُّحٰی سے مراد چاشت کا وقت ہے نیز نزولِ وحی کا زمانہ بھی مراد ہے۔ وَاللَّیلِ اِذَا سَجٰی۔ اور رات کی قسم ہے جب وہ تاریک ہو جائے۔ کامیابی اور خوشی کا وقت بھی آتا ہے اور مشکلات کی تاریکی بھی ہوتی ہے۔ اور بعد ازاں فرمایا کہ اے رسول! خدا تعالیٰ تجھ کو عظیم ترقیات سے نوازے گا جیسا کہ اس نے ماضی میں تیری دستگیری کی اور ہر موقعہ پر تیری حفاظت فرمائی ہے۔

(۹۴) سُورَةُ الانشراح

اس سورۃ کا نام اَلَمْ نَشْرَحْ کے الفاظ سے لیا گیا ہے۔ فرمایا۔ اے محمدؐ! خدا تعالیٰ نے تیرا سینہ وحی ربانی کے عظیم علوم کے لئے کھول دیا ہے اور تجھ کو اپنے دعویٰ و دلائل پر شرح صدر عطا فرمایا ہے۔

اس سورۃ میں اَلَمْ نَشْرَحْ سے مقصد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و حقانیت کے لئے وسائل مہیا کر دیئے ہیں۔ اسلئے اب اسلام پھیل کر رہے گا اور اس کی نورانی کرنیں مشرق و مغرب کو جگمگ جگمگ کر دیں گی۔

(۹۵) سُوْرَةُ التِّيْن

التّین کے معنے انجیر کے ہیں۔ اس سورۃ کا نام پہلی آیت سے لیا گیا ہے :۔ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ میں انجیر اور زیتون کو بطور شہادت کے پیش کرتا ہوں اور سینین کے پہاڑ اور امن والے شہر کو بھی۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝

یہ ساری شہادتیں ثابت کرتی ہیں کہ یقیناً ہم نے انسان کو بہترین بناوٹ پر پیدا کیا ہے۔

انجیر کی شہادت سے مراد مفسّرین نے حضرت آدمؑ کو لیا ہے۔ بائیبل کہتی ہے کہ جب حضرت آدمؑ کو اپنے ننگے ہونے کا علم دیا گیا تو آپ نے انجیر کے پتّوں سے اپنے آپکو ڈھانکا۔
(پیدائش ۳/۷)

طوفانِ نوحؑ کے سلسلہ میں بائیبل میں لکھا ہے کہ ایک کبوتری زیتون کے پتّے مُنہ میں لے کر آئی جس پر حضرت نوحؑ نے یہ سمجھا کہ اب طوفان کی تیزی ختم ہو گئی ہے اور پانی خشک ہو رہا ہے۔
(پیدائش باب ۸)

حضرت موسیٰؑ کا طورِ سینا سے خاص تعلق ہے اور اَلْبَلَدِ الْاَمِيْنِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقامِ بعثت ہے۔ یہ چاروں مقام انسانیت کی عظمت کے گواہ ہیں۔

(۹۶) سُوْرَةُ الْعَلَق

اس سورۃ کا نام آیت خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ سے ماخوذ ہے سب سے پہلی وحی جو غارِ حرا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی وہ یہ تھی :۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ کہ اپنے رب کا نام لے کر پڑھ جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو ایک خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔

لفظ علق کا لفظی مفہوم کسی چیز سے تعلق پیدا کرنا یا لٹک جانا۔ یہاں لفظ علق کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا چاہیئے۔ اس نے اسے اپنے رنگ میں رنگین کرنے کی غرض سے پیدا فرمایا ہے۔

(۹۷) سُوْرَةُ الْقَدْر

لفظ قَدْر کے معنے تعظیم، تقدیر، حکم، قضاء، وقار اور غنی کے ہیں۔ اور لَيْلَةُ الْقَدْرِ سے مراد وہ رات ہے جو خاص قدر ولوں کے اظہار کے لئے مخصوص کی گئی ہو یعنی قرآن کریم کے نزول کے لئے فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ کے الفاظ میں یہ اشارہ ہے کہ یہ رات آئندہ آنے والے انقلاب کے لئے فیصلہ کن ہے اور چونکہ اس قرآن کریم

کی عزت کرے گا اس کے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے اس کے لئے عزت اور وقار کا باعث ہے۔ ایک لَیْلَۃُ الْقَدْر وہ رات ہے جو رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں آتی ہے۔ یعنی اکیسویں، تئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں رات۔

قرآن پاک کے نزول کا زمانہ بھی لَیْلَۃُ الْقَدْر ہے۔ اس کو لَیْلَۃ مُبَارَکَۃ بھی کہتے ہیں۔

(۹۸) سُوْرَۃُ الْبَیِّنَۃ

اس سورۃ کا نام لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ مُنْفَکِّیْنَ حَتّٰی تَاْتِیَهُمُ الْبَیِّنَۃُ ۝ کی آیت سے لیا گیا ہے۔

ترجمہ۔ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا یعنی
اہل کتاب اور مشرک ہرگز باز رہنے
والے نہ تھے جب تک کہ ان کے
پاس واضح دلیل نہ آجاتی۔"

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَۃً ۝ یعنی رسول اللہ جو پاکیزہ صحیفے پڑھ کر سناتا ہے۔

فِیْهَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ ۝ ایسے صحیفے جن میں دائمی صداقتیں ہوں۔

لفظ بَیِّنَۃ کے معنے الدلیل و الحجّۃ کے ہوتے ہیں۔

(۹۹) سُوْرَۃُ الزِّلْزَال

لفظ زلزال کے معنے حرکت اور ہلنے کے ہیں جس میں شدت اور خوف ہو۔ اونٹنیوں کو سختی سے چلانا بھی ایک معنے ہیں۔

سورہ البیّنۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو البیّنۃ یعنی حجّتِ بالغہ قرار دیا گیا ہے جس کا کام قرآن کریم کے ذریعہ تزکیۂ نفوس کرنا ہے۔ اس سورۃ میں آپ کے اثرات اور ثمرات پیش کئے گئے ہیں۔ قرآن قلوب میں ایک حرکت پیدا کرے گا اور وہ متاثر ہوں گے۔

ظاہری طور پر اس سورۃ کے یہ معنے بھی ہیں کہ دنیا میں قسما قسم کی ایجادات اور اختراعات ہوں گی۔ سائنس کی ترقی سے زمین میں ایک حرکت اور گڑگڑاہٹ پیدا ہوگی۔ اندرونی خزانے تیل، پٹرول اور معدنیات کی فراوانی ہوگی۔ علوم کی کثرت ہوگی اور انسان انسانوں کو دیکھ کر تعجب کرے گا اور کہے گا مَا لَهَا کہ زمین کو کیا ہوگیا۔ اس وقت وحی کا نزول اور مامور کی بعثت ہوگی۔

(۱۰۰) سُوْرَۃُ الْعٰدِیٰت

لفظ عادیات، عادیۃ کی جمع ہے۔ عَدَا الرجلُ کے معنے جَرٰی و رَکَضَ یعنی کوئی شخص تیزی کے ساتھ دوڑا۔ ضَبْحًا، عربی

زبان میں ایک قسم کی تیز دوڑ کا نام ہے اقرب الموارد میں ہے :-

"اَلضَّبْحُ صوتٌ یُسمع
مِن صدور الخیل عند العَدْوِ"

یعنی ضبح اُس آواز کو کہتے ہیں جو دوڑتے وقت گھوڑوں کے سینوں میں سے نکلتی ہے۔"

آیت کے معنے یہ ہیں :- ہم بطور شہادت کے تیز اور سرپٹ دَوڑنے والی سواریوں کو پیش کرتے ہیں۔ چاہے وہ گھوڑے ہوں یا اونٹنیاں سواریاں اپنی ذات میں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں جب تک ان پر سوار اشخاص ایمان، استقامت اور فدائیت کے جذبہ سے سرشار نہ ہوں۔

(۱۰۱) سُوْرَۃُ الْقَارِعَۃ

القارعۃ کے معنے ہیں :- القیامۃ' الداھیۃ، النکبۃ المھلکۃ۔ یعنی قیامت، اچانک آنے والی مصیبت، ہلاک کردینے والی ذلت و مصیبت۔

سورۃ القارعۃ میں مسلمانوں کی مشکلات اور مصائب کا اظہار ہے۔ اس جگہ استفہام کا مفہوم جو لفظ مَا اور مَا اَدْرٰىكَ کے الفاظ میں مذکور ہے اور اہمیت کے بتلانے کے لئے لایا گیا ہے اور بتلایا ہے کہ وہ مصیبت المناک ہوگی اور اس کی حقیقت کو جانا ہی نہیں جا سکتا۔

(۱۰۲) سُوْرَۃُ التَّکَاثُر

اس سورۃ کا نام آیت اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ سے لیا گیا ہے۔ تکاثُر کثرت سے ہے مفردات راغب میں تحریر ہے :-

"الھاکم ای شغلکم
التبادی فی کثرۃ المال
والعزّ"

یعنی تکاثر کے معنے ہیں ایک کا دوسرے سے مال اور عزت کی کثرت میں مقابلہ کرنا۔"

اس میں بتلایا گیا ہے کہ کثرت مال یا اولاد کی خواہش انسان کو زندگی کے اصل مقصد سے غافل کر دیتی ہے۔ اگر ناجائز تکاثر و تفاخر سے بچا جائے اور اس کے ابتدائی محرکات سے ہی پرہیز کر لیا جائے تو قوم کی اخلاقی حالت درست ہو سکتی ہے۔

(۱۰۳) سُوْرَۃُ الْعَصْر

لفظ وَالْعَصْرِ میں عظیم معنوی بلاغت ہے۔ جس کے معنے خاص زمانہ کے ہیں اور اس سے مراد نبی کا زمانہ لیا گیا ہے۔ اور مقصد یہ ہے کہ جو انسان وقت کے نبی اور مامور کی شناخت نہیں کرتا اور اس سے فائدہ نہیں اٹھاتا وہ یقیناً خسارہ میں ہے۔ خدا تعالیٰ نے وقت اور زمانہ کی اہمیت بتلاتے ہوئے اس کو بطور شہادت کے پیش کیا

ہے اور بتلایا ہے کہ زندگی اور زمانہ سے وہی لوگ فائدہ حاصل کرتے ہیں جو ایمان اور اعمالِ صالحہ بجا لاتے ہیں اور ایک دوسرے کو حق و صداقت اور استقامت کی تلقین کرتے ہیں۔

(۱۰۴) سُوْرَۃُ الْھُمَزَۃ

اِس سورۃ کا نام وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ کے الفاظ سے لیا گیا ہے۔

هُمَزَة کا مطلب لوگوں کی عزتوں پر حملہ کرنا اور اُن کی پگڑیاں اُچھالنا ہے اور لُمَزَة غیبت کرنا اور عیب چینی کرنا ہے۔ یہ دونوں لفظ دراصل کفار کی بُرائیوں کو ظاہر کرنے کے لئے آئے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے ہلاکت مقدر ہے۔ شاعر زیاد الاعجم کہتا ہے ؎

اذا لقیتك عن شحط تکاشرنی
وان تغیبت کنت الھامز اللمزۃ

کہ میری ملاقات کے وقت تو ترش روئی سے پیش آتا ہے اور میری غیر حاضری میں غیبت کرتا اور اتہام تراشی تیرا شیوہ ہے۔"

(۱۰۵) سُوْرَۃُ الْفِیْل

اِس سورۃ میں ابرہہ کے بیت اللہ پر ہاتھیوں کے ساتھ حملہ کرنے کے لئے آنے اور تباہ ہونے کا ذکر ہے۔ آیت اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ سے سورۃ کا نام لیا گیا ہے۔

یہ لشکر چیچک کی بیماری سے تباہ ہو گیا تھا۔

لفظ اَلَمْ تَرَ میں رؤیت عینی مراد نہیں بلکہ رؤیت قلبی مراد ہے کیونکہ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے کا ہے۔ اس میں آنحضرت کو تسلّی دی گئی تھی کہ معاندین کی شرارتوں کی پرواہ نہ کریں خدا تعالیٰ اِس کعبہ کی حفاظت کرے گا۔

(۱۰۶) سُوْرَۃُ الْقُرَیْش

قریش عربوں کے ایک مشہور قبیلہ کا نام ہے قریش کی وجہ تسمیہ میں دو قول مذکور ہیں:۔

۱۔ قریش ایک بہت بڑی مچھلی کا نام ہے جو طاقت اور جسامت میں بڑی ہوتی ہے اور جو چھوٹی مچھلیوں کو کھا جاتی ہے۔ عربی زبان میں اس کو قرش کہتے ہیں۔ چونکہ اس قبیلہ کو اقتدار اور طاقت حاصل تھی لہذا ان کا نام قریش ہو گیا۔

۲۔ لفظ قریش کے مادہ میں جمع کرنے کا مفہوم بھی موجود ہے۔ یہ لوگ تاجر تھے اور خوب مال جمع کرتے تھے۔ لہذا یہ قریش کہلائے۔

اِس میں بتلایا گیا ہے کہ ہم نے قریش پر احسان کیا ہے اور ابرہہ کے لشکر کو تباہ کر دیا۔ اُن کو چاہیئے کہ اب وہ خدا تعالیٰ کی عبادت پہلے سے زیادہ کریں جس نے ان کو بھوک اور فاقہ کی نوبت سے اور ہر قسم کے خوف سے محفوظ رکھا۔

(۱۰۷) سُوْرَۃُ المَاعُوْن

اِس سورۃ کا نام یَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ سے لیا گیا ہے۔ عربی زبان میں مَاعُون کے معنے بارش، پانی، کلہاڑی، ہنڈیا کے ہیں اور اصولی طور پر اس کے معنے ہیں کل ما انتفعت بہٖ ہر وہ چیز جس سے تو فائدہ اُٹھائے۔ ابوعبیدہ امام لغت لفظ مَاعُون کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کے معنے الانقیاد و الطاعۃ یعنی اطاعت اور فرمانبرداری کے ہیں۔

اِس سورۃ میں بتلایا گیا ہے کہ وہ نمازی جو نماز کی بنیادی غرض سے غافل ہے اس کی نماز ہلاکت اور بربادی کا باعث ہے کیونکہ اس کی نماز میں خدمتِ خلق، ہمدردی اور انسانیت مفقود ہے۔

(۱۰۸) سُوْرَۃُ الکَوْثَر

اِس سورۃ کا نام آیت اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ؀ سے لیا گیا ہے۔ لفظ الکوثر کے معانی میں کثرت اور بہتات کا مفہوم شامل ہے۔

الکوثر سے مراد حوضِ کوثر، امت کی کثرت، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند ترین درجات، حضور کی اُمت کے مناقب عالیہ اور آپ کے جلیل فرزند مسیح موعود کے ہیں کیونکہ لغت میں لکھا ہے کہ الرجل السخی کو بھی اَلْکَوْثَر کہتے ہیں۔

(۱۰۹) سُوْرَۃُ الکٰفِرُوْن

مفسرین نے تحریر کیا ہے کہ (۱) ولید بن مغیرہ (۲) عاص بن وائل (۳) اسود بن عبدالمطلب اور (۴) امیہ بن خلف اور اُن کے ساتھ کئی دوسرے چیدہ چیدہ افراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے حضور انور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔

"اے محمدؐ! ایک سال تو ہمارے معبودوں کی عبادت کر اور ایک سال ہم تیرے معبود کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اس سال میں جس عبادت نے جس فریق پر اثر کیا وہ اسی کو اختیار کرلے"

اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ سورۃ الکٰفرون نازل فرمائی اور یہ ابتدائی مکی سورۃ ہے۔ آیت یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ کی بناء پر اس کا نام رکھا گیا ہے۔ سورۃ کا مضمون نہایت واضح ہے۔

(۱۱۰) سُوْرَۃُ النَّصْر

اِس سورۃ کا نام الفاظ آیت اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ سے ماخوذ ہے۔ یہ سورۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے تقریباً ستر دن پہلے نازل ہوئی تھی۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اسلام کو قوت و شوکت حاصل ہوگی اور لوگ کثرت سے افواجاً اسلام میں داخل ہوں گے۔

(۱۱۱) سُوْرَةُ اللَّهَب

اِس سورۃ میں سورۃ النصر کے مشمولات کو بطور تتمہ کے بیان کیا گیا ہے اور بتلایا ہے کہ اب اسلامی فتوحات اور غلبہ کا وقت آگیا ہے۔ اور یہ فتوحات کئی لوگوں کے لئے تکلیف اور صدمہ کا باعث ہیں۔ ان فتوحات کا مقابلہ کرنے کے لئے بھی لوگ تیار ہوں گے۔ ابولہب سے مراد ایسے اشخاص ہیں جو اسلام کے خلاف ہوں گے۔ اور اِمْرَأَتُهٗ (اُس کی بیوی) سے مراد اُس کے ہمنوا اور اتباع ہیں۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک چچا کو ابولہب کہتے تھے۔ وہ اسلام کا شدید مخالف تھا۔ اس کی بیوی بھی حضور ؐ کو ایذا پہنچاتی تھی۔ ان کے بُرے انجام کی پیشگوئی بھی اِس سورۃ میں ہے جو پوری ہوئی۔

(۱۱۲) سُوْرَةُ الْاِخْلَاص

اِس سورۃ کا نام اس کے الفاظ سے نہیں لیا گیا اِس سورۃ میں توحید ربّانی کو ہر قسم کی شرک کی لوث سے خالص اور پاک کرکے بیان کیا گیا ہے

اسلام کا اصل الاصول هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ہی ہے اسلئے اس کا نام الاخلاص ہے۔

اِس سورۃ کے کئی نام مذکور ہیں۔

ایک حدیث میں ہے مَنْ قَرَأَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد فکانّما قرأ ثلث القرآن (فتح القدیر) جس نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد کی تلاوت کی گویا اس نے تہائی قرآن کریم کی تلاوت کی۔ اور ایک حدیث میں توجامعیت بیانِ توحید کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کو اعظم السُّوَر یعنی سب سے بڑی سورۃ قرار دیا ہے۔

(۱۱۳) سُوْرَةُ الْفَلَق

اِس سورۃ کا نام آیت قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ سے لیا گیا ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مِن احبّ السُّوَر الی اللّٰہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ و قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس یعنی خدا تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسندیدہ سورتوں میں سے دو سورتیں الفلق اور الناس ہیں۔ جو انسان کی اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کا تعویذ ہے۔

(۱۱۴) سُوْرَةُ النَّاس

یہ قرآن کریم کی آخری سورۃ ہے جو تعلیم قرآنی کا بہترین خلاصہ ہے اور بتلایا ہے کہ خدا تعالیٰ ہی تمام لوگوں کی پرورش کرنیوالا ہے اور وہی حقیقی بادشاہ ہے اور وہی حقیقی معبود ہے رب، ملک اور الٰہ کی صفات سے متصف حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ یکتا ہے نہ کوئی اور ہستی۔ خلاصہ سورۃ یہ ہے کہ شیطانی حملہ سے بچنے کا تریاق صرف اور صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے جو عام و [illegible] واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین ☆

(طابع وناشر:- ابوالعطاء جالندھری۔ مطبع:- ضیاء الاسلام پریس ربوہ۔ مقام اشاعت:- دفتر ماہنامہ الفرقان ربوہ)

شیزان
گھر بھر کی خوشی
اور صحت کا
ضامن ہے
HOT KETCHUP
Peach Jam
Shezan
Plum Jam
TOMATO KETCHUP
شیزان
انٹرنیشنل لمیٹڈ
بند روڈ، لاہور

Monthly "Al-Furqan" Rabwah

July, August 1972 Regd. No. L 5708

قرآن کریم کی اشاعت اکناف عالم میں

اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ مشرق اور مغرب میں اشاعت قرآن کریم کا شاندار کارنامہ سرانجام دے رہی ہے

مکرم مسعود احمد صاحب جہلمی فرینکفورٹ جرمنی کے لارڈ میئر کو قرآن کریم کا تحفہ پیش کر رہے ہیں

Nusrat Art Press Rabwah